سلسلۂ ادبیات

جامعہ اصلاحیہ عثمانیہ الہ آباد کا

پہلا نمبر

خیابان ترنم

سنہ ۱۳۵۴ھ

از

حضرت شہیر محمد علی شہیری

سلسلۂ ادبیات
جامعۂ اصلاحیہ عثمانیہ الہ آباد

۱

خیابانِ ترنم

سنہ ۱۳۵۴ھ

اثر خامہ

سرگروہ سخنوراں - سرآمد نکتہ پروراں خاقانی مرتبت - نظیری نظیر
دبیر بیمثال - سحر بیاں - جادو تقریر - یکہ تاز میدان فصاحت
شہسوار مضمار بلاغت (خانصاحب) جناب مولوی

سید محمد نوح صاحب شہیر مرحوم مچھلی شہری

مرتبہ

جناب سید اختر حسین نقوی سروش جانشین حضرت شہیر مرحوم

و

جناب مولنا الحاج شاہ ابو الحسن محمد مظفر حیدری "فاضل" غازیپوری
تلمیذ رشید حضرت شہیر اعلی اللہ مقامہ

بہ تحریک

نواب زادہ محمد خلیل اللہ ابن الیس جنگ بہادر

باہتمام حکیم رمضان علی صاحب
در مطبع اسرار کریمی الہ آباد طبع شد

سنہ ۱۹۳۶ء

قیمت دو روپیہ عہ

قطعہ تاریخ

نتیجۂ فکرِ بلند امتیاز الشعرا جناب مولوی سید محمد جعفر صاحب

قدسی جائسی

شہیر خوش بیاں کا ہے یہ دیواں — ہے اس کا صفحہ صفحہ گل بداماں

برنگِ مہر یہ پرتو فشاں ہے — نظیر اسکی زمانے میں کہاں ہے

شہیر خوش بیاں استاد فن تھے — اسیر کشور شعر و سخن تھے

سخن سنجی میں تھے مشہور آفاق — غزل ہو یا قصیدہ سب میں مشتاق

یہ مجموعہ بڑی جانکاہیوں سے — کیا شائع جناب حیدری نے

جلایا خوب نام استاد فن کا — جزاہ اللہ فی الدارین خیر

ضیا میں غیرت شمع فروزاں — ہے تقریظ جناب سر سلیماں

اگر پوچھے کوئی تاریخ اس کی

"خیابان ترنم" کہہ دو قدسی

۱۳۵۴ھ

عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان کے، ٹی، ایم، اے، ال، ال، ڈی بیرسٹر ایٹ لا چیف جسٹس ہائیکورٹ الہ آباد کی واجب التعظیم تقریظ

رضا صاحب، جناب مولوی سید محمد نوح صاحب شہیر مرحوم رئیس مچھلی شہر ضلع جونپور، علم ادب کے ماہر اور اپنے معاصرین میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی وغیرہ تمام اصناف سخن پر آپکو یکساں قدرت حاصل تھی اور ہر صنف میں آپ کا کلام، اہل ذوق کے دل پر، اپنے سکے بٹھا چکا ہے۔ آپ ایک کامل الفن شاعر، اور با اقتدار رئیس ہونے کے باوجود، نہایت منکسر مزاج، نیک اور خلیق تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ آپکی ہستی، ہر حیثیت سے، قابل قدر تھی، مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ کا کلام شائع ہو رہا ہے، خدا کرے کہ اس کو مقبولیت عام حاصل ہو۔

خاکسار

شاہ محمد سلیمان عفا عنہ

الہ آباد

۲ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء

تہدیہ

میں اپنے استاد معظم حضرت شہید مرحوم کے گراں قدر
جواہر ریزوں کو عالی جناب مستغنی عن الالقاب الحاج
ڈاکٹر نواب محمد اللہ ابن الیس جنگ بہادر ایم۔ اے۔ ال
ال۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا، ناظم اسشن جج صوبہ اورنگ آباد
دکن زاد اللہ اقبالہ و اجلالہ کے اسم گرامی سے
معنون کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔

تاچیز
حیدری



عالیجناب الحاج ڈاکٹر نواب محمد اللہ ابن ایس جنگ بہادر
ایم، اے، ال ال، ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا۔ ناظم (سشن جج)
صوبہ اورنگ آباد دکن۔

۷۸۶

منظور سے گزارش احوال واقعی

دلی تمنا تھی کہ استاذ معظم حضرت شہیر مرحوم کے بے بہا جواہر پارے ایک دیوان کی صورت میں ارباب نظر کے سامنے پیش کئے جائیں لیکن مکروہات زمانہ میرے اقدام عمل میں سنگ راہ ہوتے رہے۔ احباب کا اصرار ہوتا رہا اور میں امروز فردا پر محول کرتا رہا لیکن یہ محسوس کرکے کہ عالم رنگ و بو کے تغیرات سے یکسوئی حاصل ہونے کی امید کرنا خواب و خیال ہے۔ خدا کا نام لے کے ترتیب و اشاعت کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

حضرت شہیر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، دنیائے ادب کا بچہ بچہ آپکی مشہور و معروف ہستی سے واقف، اور زبان اردو صحیح معنوں میں آپ کی رہین منت ہے۔ آپکے سوانح حیات پر چنداں روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں محترمی جناب برادر سید اختر حسین صاحب سروش جانشین حضرت شہیر نے تبصرہ کیا ہے لیکن یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ قدرت کیجانب سے آپکو ایسا حساس و دردمند دل عطا ہوا تھا جسکی ضیا باریوں نے آپکو حقیقی طور سے شاعر شکلف کی

صف سے خارج کر کے شاعر مبلیغ کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ دور اولین و آخرین کے اشعار نذر تغافل ہو چکے۔ ایک مرتب و منظم دیوان، حضرت شہیر کی زندگی ہی میں ضائع ہو چکا، جس سے آپ اور آپ کے احباب خاص بیحد متاسف تھے۔ چنانچہ حضرت امیر مینائی مرحوم کے صحیفۂ ذیل سے، اس کا کافی ثبوت ملتا ہے۔

۱۹ر اپریل ۱۸۹۷ء — نمبر ۱۶۵

دلنواز امیر میر حضرت شہیر سلمکم اللہ القدیر

سلام مسنون۔ اخلاص مشحون۔ شدائد مرض۔ عسر بول و حبس بول سے اوقات میں سخت اختلال ہے۔ ضعف پیرانہ سالی کو خستہ حالی نے اور قوت دے رکھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ احباب سے بھی رسم و راہ خط و کتابت ترک ہو گئی ہے۔ آپ کی محبت اور عنایت کا خیال تو اکثر رہتا ہے۔ مگر خط لکھنے کا اتفاق مدت سے نہیں ہوا آج محمد احمد سے آپکی خیر و عافیت سنکر مجھے ایسا قلق ہوا کہ اسکے بیان کو لفظ نہیں ملتے۔ خدا جانے کس بیدرد نے یہ ظلم کیا اتنے بڑے دیوان کا چوری جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ تفصیل تو لکھئے یہ کیا غضب ہوا۔ آپ سے نامور شاعر کا کلام کسی دوسرے کے کام کیونکر آسکتا ہے یہ بھی لکھئے کہ خدانخواستہ اس کلام کے ملنے سے یاس ہو گئی ہے یا احتمال باقی ہے اور درصورت نہ ملنے کے کچھ مسودات ایسے ہیں جن سے پھر ترتیب تبیض ہو سکے یا نہیں؟ خدا کرے وہی دیوان مل جائے ورنہ آپ ہرگز ہمت نہ ہاریئے اور مسودات سے جسقدر ممکن ہو پھر جمع کر لیجئے ایسے ریزہ ہائے جواہر کا تلف ہو جانا۔ آپکے احباب پر نہایت شاق ہے میرا دل تو

---

[1] از مکاتیب امیر مینائی

یہ خبر سنکر بسمل ہو گیا زیادہ اسوقت کیا لکھوں۔ یہ چند سطریں طبیعت پر جبر کر کے لکھی ہیں میری کوتاہ قلمی پر نظر نہ فرما کر کبھی کبھی مجھے اپنی خیر و عافیت اور صحت و سلامت سے مسرور کیا کیجیئے تو کمال احسان ہے۔ تکملۂ التماس یہ ہے کہ غدر میں میرا بھی کلام جسقدر اس زمانہ تک مرتب ہوا تھا اور میں نے اسکو خوشنویس سے لکھوا کر مطلا و مذہب کرایا تھا سب تلف ہو گیا۔ مگر کچھ اپنی یاد سے کام لیا اور کچھ پھر موزوں کیا کہ مرآۃ الغیب کی صورت بندھی اگرچہ ہزارہا شعر یاد نہ آئے اس لکھنے سے غرض یہ ہے کہ آپ بھی بالکل اس دیوان سے قطع نظر نفرمائیں اور کوشش کریں کہ کچھ یادگار باقی رہے۔

”آپ کا منت پذیر حسرت خمیدہ یاس تصویر امیر فقیر“

حضرت شہیر اسی نظریہ کے تابع اور اسی لائحہ عمل کے پیرو تھے جسکا سنگ بنیاد ناسخ نے رکھا تھا اصلاح زبان کی حیثیت سے آپ کا شمار تیسرے دور میں کیا جا سکتا ہے، اسلئے کہ آپ جناب منیر مرحوم کے ارشد تلامذہ میں تھے اور حضرت منیر کو ناسخ سے فخر تلمذ حاصل تھا آپ کے اشعار پر اک سرسری نظر ڈالنے سے یہ امر واضح و منکشف ہو جاتا ہے کہ آپ حقیقی طور سے فیض منیر سے مستفید ہوئے۔ خود حضرت شہیر فرماتے ہیں ؎

بعد از ناسخ و منیر شہیر　　یادگار گزشتگاں ہیں ہم

شاعری ایک فطری شے ہے اگر انسان قدرت کیجانب سے شاعرانہ دل و دماغ لیکر آیا ہے تو اسکے جذبات محدود نہیں رہ سکتے وہ اپنے احساسات، نظم کی صورت میں ظاہر کرنے پر مجبور ہے، جسطرح ایک اُبلتا ہوا چشمہ، کسی رکاوٹ سے نہیں رکتا، وہی کیفیت

ایک شاعر کی ہے جب اسکے شاعرانہ خیالات میں جذب ہوتا ہے تو وہ شعر کی صورت
اختیار کرتا ہے۔ حضرت شہیر کو خلاق ازل نے ایک ایسا دل عطا فرمایا تھا جس میں
احساسات و جذبات کی دنیا آباد تھی آپکو خوش نصیبی سے ایک ایسا رہبر کامل مل گیا جسنے
آپکی شخصیت میں چار چاند لگا دئے اور آپکو مکمل شاعر بنا دیا۔ اصناف سخن کے ہر
نوع پر خامہ فرسائی و طبع آزمائی تو آسان ہے لیکن ہر صنف کو بہترین صورت میں پیش
کرنا بہت دشوار ہے۔ جناب شہیر کی شخصیت اس معاملہ میں بھی اپنے معاصرین میں طرہ
امتیاز رکھتی ہے۔ آپ نے ہر نوع کی طرف توجہ فرمائی اور کما حقہ اسے انجام دیا۔ غزل
میں تمام وہ شرائط مد نظر رکھے جو ایک غزل گو شاعر کے لئے ضروری ہیں۔ قصائد و نظم و رباعیات
و مسدس و مثنوی غرض کہ ہر صنف سخن میں آپ نے کمال شاعری کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں

غزل

لفظ غزل کو جس مفہوم کیلئے وضع کیا گیا تھا، اس معنی وضعی کے ساتھ اب اس کی
تخصیص نہیں رہی بلکہ اس کی وسعت نے "تصوف، اخلاق، مواعظ وغیرہ کو بھی اپنے
دامن میں لے لیا ہے، غزل کی اصلاح" تمام اصناف سخن سے زیادہ اہم ہے اس لئے
اسکا اثر قومی مذاق اور قومی اخلاق پر جسقدر بھی ہو کم ہے، ہر شخص اپنے ذوق کے
موافق لطف اندوز ہوتا ہے۔ غزل کی بنا چونکہ حقیقتاً عشقیہ مضامین پر رکھی گئی
ہے اس لئے اگر عشق و محبت کی چاشنی نہ دیجائے تو آج کل اسکا مقبول ہونا دشوار
ہے بایں وجہ عشقیہ مضامین کے لئے ایسی جامع لفظیں ضروری ہیں، جو محبت کے تمام

تعلقات مادی اور روحانی پر غالب ہوں اور حتی الامکان ایسے الفاظ سے احتراز کیا جائے جن سے کلام میں سقم و رکاکت پیدا ہونے کا شبہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ غزل کو مطالب و مضامین کے لحاظ سے جسقدر وسعت دیجائے مستحسن ہے۔ لیکن مفہوم شعر کا لفظوں کے گورکھ دھندے میں پھنسکر رہ جانا شاعر کے دامن کمال پر نقص کا بدنما دھبہ لگاتا ہے۔ سادہ اور عام فہم الفاظ کا استعمال ضروری ہے تاکہ سامع کا ذہن فوراً اصل مفہوم کیطرف منتقل ہو جائے الفاظ جسقدر عام فہم ہونگے اسی قدر شعر میں کیفیت ہوگی ایسے غریب الفاظ استعمال کرنا جس سے کان آشنا نہیں ہیں، کسی طرح ممدوح نہیں، آسان اور سادہ لفظیں جو شاعر کے جذبات کی آئینہ ہوتی ہیں اُن سے آمد کا اظہار ہوتا ہے۔ جذبات کو لفظوں کا پابند بنا آورد کہلاتا ہے۔ آسان لفظوں کیساتھ محاورہ و روزمرہ کی پابندی بھی غزل کے لئے ضروری ہے۔ اگر محاورہ و روزمرہ کی لطافت بھی شعر میں موجود ہوگی تو شعر بلند تر ہو جائیگا۔ جناب شہیراں تمام خصوصیات مذکورہ کے فی الحقیقت حامل تھے۔ آپ کے بے تکلف اشعار آورد کے دائرے سے بالکل خارج ہیں آپ ایسے الفاظ کبھی نہیں استعمال کرتے تھے جس سے مفہوم شعر مغلق و مبہم ہو بلکہ ہمیشہ سادہ اور آسان لفظیں اور ان کے ساتھ محاورہ اور روزمرہ استعمال فرماتے تھے سخت سے سخت مضامین، اہم سے اہم امور وہ نہایت سنجیدگی سے ادا فرماتے تھے۔ فلسفہ کے اہم مسائل، تصوف کی حقیقی تصویر، اخلاقیات کا

بہترین مظاہرہ، عشق و محبت کی دلچسپ داستان، رنج و غم کا پُر حسرت مرقع، تاثر کی پُر لطف کیفیت، سوز و گداز کی دلدوز حالت، جس عنوان سے، حضرت شہیر نے پیش فرمائی ہے اس کا کیا کہنا، صنائع لفظیہ و معنویہ کا لحاظ، معنی آفرینی و دشوار پسندی، تخیل و محاکات، قواعد کی پابندی یہ سب چیزیں عام طریقہ سے ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں، آپ نے اکثر و بیشتر ان زمینوں میں طبع آزمائی فرمائی ہے جن پر کہ ہندوستان کے مایۂ ناز شعرا، داد سخن لے چکے ہیں اور کوئی گوشہ ایسا نہیں بچا ہے جسے وہ نظر انداز کر گئے ہوں لیکن حضرت شہیر کی شاعرانہ فطری طاقت نے کچھ ایسے لطیف گوشے پیدا کر دئے کہ جن سے موصوف کے کمال شاعری کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ ہم اس مقام پر ایجاز و اختصار کے ساتھ چند اشعار مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں جو تمام محاسن شعر کے فی الواقع حامل ہیں۔

اعتبار عمر فانی کچھ نہیں	کچھ نہیں دنیائے فانی کچھ نہیں
وقت پیری زندگانی کچھ نہیں	زندگانی بے جوانی کچھ نہیں
آنسوؤں سے کیا بجھے دل کی لگی	آگ کے آگے یہ پانی کچھ نہیں
سُن کے وہ افسانۂ الفت مرا	بولے یہ جھوٹی کہانی کچھ نہیں
بے بقا ہے عالم ناپائیدار	کچھ نہیں دنیائے فانی کچھ نہیں
خشک ہے بے اشک کشت آرزو	سُوکھتا ہے دھان پانی کچھ نہیں

اے باغباں شوق اسیری ہے اسقدر	خود بلبلوں کو رہتی ہے صیاد کی تلاش

سو نقش خود جو ایک تصور میں کھینچ لے — پھر اسکو کیا ہو مانی و بہزاد کی تلاش

ہو سکنے کو یوں آپ سے کیا ہو نہیں سکتا — ہو لاکھ مگر عہد وفا ہو نہیں سکتا
کیوں قتل کے اقرار میں ہے تمکو تامل — کیا عہد وفا ہے کہ وفا ہو نہیں سکتا
قاتل سے جو بچ جائے وہ قاتل ہے کہ دل ہے — یہ دشمن جاں دوست مرا ہو نہیں سکتا

کیوں پھر مجھے اے عیسیٰ دوراں [illegible] — کیا درد مرا قابل درماں نہیں دیکھا
رستہ نہ ملا اسکو بیابان [illegible] کا — جس نے کہ مرا چاک گریباں نہیں دیکھا

مرنے کے واسطے [illegible] کا خط تھا — اس کے بازو سے جب کھلا تعویذ

شام غم آتے ہی مجھ سے کہتے ہیں میرے نصیب — نیند آئے یا نہ آئے تم کو ہم سوتے ہیں آج

دل کی چوٹیں داغ بن بن کر نمایاں ہو گئیں — جو جگر میں رہ گئیں وہ درد پنہاں ہو گئیں
شاخہائے گل میں گھر کر ہو گئی بلبل اسیر — ڈالیاں ہر سمت سے دیوار زنداں ہو گئیں
وہ امیدیں کیا اٹھاتیں سر دل مایوس میں — جو کہ پامال ہجوم یاس و حرماں ہو گئیں
چار بوندیں تھیں لہو کی دل جگر کی کائنات — وہ بھی صرف دعوت سوفار و مژگاں ہو گئیں
قید آب و گل سے دنیا میں نہ چھوٹے تا حیات — چاروں دیواریں عناصر کی زنداں ہو گئیں

میں تو دونوں طرح منت کش تیر یار ہوتا — وہ اٹک کے دل میں رہتا کہ جگر کے پار ہوتا
اگر آگ کے جلے کی نہ دوا بھی آگ ہوتی — تو نہ سوز غم بھی دل کا مرے غمگسار ہوتا
وہی ہاں نظر نظر تھی مرے دل سے جو گزرتی — وہی تیر تیر ہوتا جو جگر کے پار ہوتا
مرے قلب مضطرب کا تو مدار [illegible] تھا — جو اسے سکون ہوتا تو اسے قرار ہوتا

حضرت غالب مرحوم کی یہ دو غزلیں ایسی ہیں کہ کوئی گوشہ ایسا نہیں جسے غالب نے چھوڑ دیا ہو۔ حضرت شہیر کی زود وابستگی کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ انہوں نے ان میں نیا رنگ پیدا کر دیا اور جدید گوشے نکالے۔

بیر کہ بات میں تھا حجاب اول اول	نہ یوں تم تھے حاضر جواب اول اول
وفادار اغیار کا اب لقب ہے	کہیں تھا یہ میرا خطاب اول اول
ازل ہی سے کوثر کی لہروں میں ڈوبے	ہوئے غرق موج شراب اول اول
جوانی میں رندی ضعیفی میں توبہ	ثواب آخر آخر عذاب اول اول
نیاز ابتدا کا تھا ناز ابتدا کا	سوال اول اول جواب اول اول

حضرت داغ مرحوم نے بھی اس زمین میں ایک غزل کہی ہے اور کوئی شک نہیں کہ وہ غزل بے مثل ہے۔ لیکن حضرت شہیر کی اس غزل کے چند شعر لائق تحسین ہیں اور میرے زعم ناقص میں قدرے امتیازانہ شان رکھتے ہیں مثلاً یہ شعر

جوانی میں رندی ضعیفی میں توبہ	ثواب آخر آخر عذاب اوّل اوّل

لفظوں کی تکرار سے شعر کی لطافت دوچند ہو گئی۔

تصوف

اس طریقہ کا نام ہے جس پر خلوص، وفا، تسلیم و رضا کے ساتھ چلنے والے کی ذات باری تعالے کے حکم کے آخری منزل پر واصل ہو جاتی ہے ہر منزل پر پردہ اٹھتا جاتا ہے، ہر شے میں خدا کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ اور ہر چیز میں اسی کی حقیقی

جھلک معلوم ہونے لگتی ہے۔

قدما نے جس وسعت اور دلآویزی کے ساتھ صوفیانہ خیالات ادا کیے ہیں ان کی نظیر کسی دور میں نہیں ملتی، اسمیں شک نہیں کہ تصوف کا رنگ ہر دور میں کچھ نہ کچھ ضرور پایا جاتا رہا، دور جدید کے شعرا میں مولانا حالی مولوی اسمٰعیل، فانی وغیرہ کے کلام میں بہت کچھ صوفیانہ شان پائی جاتی ہے۔ جناب شہیر کا سلسلہ تلمذ اگرچہ ناسخ تک پہنچتا ہے لیکن آپ صوفیانہ خیالات سے بیگانہ و ناآشنا نہ تھے۔ آپ کے یہاں تصوف کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ زیادہ تر اشعار صوفیانہ خیالات ہی پر مبنی ہیں، حضرت شہیر نے اپنا انداز بیان نیز شاعری کے محاسن کو فلسفہ و تصوف کی سنگلاخ زمین میں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ نہایت بے تکلفی کے ساتھ جس طرح چاہا آسان لفظوں کے قالب میں معانی و مطالب جلیلہ کو ڈھال دیا، چند شعر مشتے نمونہ از خروارے، ہدیہ ناظرین ہیں۔

جمال شاہد یکتا کا جلوہ یار میں دیکھا
جو رنگ حسن اصلی ہے گل رخسار میں دیکھا

انجمن افروزی کثرت میں ہے وحدت کی شان
اک چراغ طور ہے اس شمع محفل کا جواب

یہ عشق مجازی بھی حقیقت کا ہے زینہ
رکھ پاؤں ذرا اے دل دیوانہ سمجھ کا

لے عشق میں جو چشم حقیقت سے کام دل
دیکھے نئی زمین نیا آسمان دل

کثرت ہی میں وحدت کا جلوہ نظر آتا ہے
وہ لاکھ حسینوں میں یکتا نظر آتا ہے

او حسن ترا جلوہ ہر جا نظر آتا ہے
پردہ میں بھی تو پردہ آرا نظر آتا ہے

جو پردۂ باطن میں ہے محو خود آرائی ۔ عکس آئینۂ دل میں اسکا نظر آتا ہے
جب آپکی کھینچی ہے تصویر تصور میں ۔ صورت گر اصلی کا نقشا نظر آتا ہے
ہے صورت و معنی میں تمیز سے حاصل ۔ نیرنگ شہود اس کو دھوکا نظر آتا ہے

جلوۂ حسن ازل سے ہے دو عالم معمور ۔ شان کثرت میں دکھائی ہے یہ یکتائی نے

آپ اپنا پتہ نہیں ہم کو ۔ یہ نہیں جانتے کہاں ہیں ہم
اپنی ہستی بھی ہے عجب ہستی ۔ کہ نہیں ہونے پر بھی یاں ہیں ہم
مرتے مرتے بھی ہے بلند نگاہ ۔ عازم سیر لامکاں ہیں ہم
قید کون و مکاں سے ہیں آزاد ۔ کچھ نہیں ہے جہاں وہاں ہیں ہم

صورت وحدت آشنا کا دیدۂ امتیاز میں ۔ جوہر فرد نما آئینۂ مجاز میں
نغمۂ ساز سوز غم ۔ نالۂ دلنواز میں ۔ گرمی شوق پردۂ آہ جگر گداز میں
چشم حقیقت آشنا ۔ آئینۂ مجاز میں ۔ دیکھ رہی ہے اسکا عکس جو ہے حجاب ناز میں
حال مریض ہجر کا ۔ کیا ہے شب دراز میں ۔ جانے وہ کیا جو سو رہے جا کے حریم ناز میں
فتنے تو چڑھ کے سو رہے پہلوئے خواب ناز میں ۔ سحر کو راہ مل گئی دیدۂ نیم باز میں
اے دل درد آشنا اُس سے جفا کا کیا گلہ ۔ ذوق ستم بھی ہو ملا جسکی ادائے ناز میں
پاؤں نکالتے نہیں وہ تو حریم ناز سے ۔ سجدے یہاں ہیں بیقرار ناصیۂ نیاز میں
انکے لبوں زبان میں گو جوہر راستی نہو ۔ جھوٹی تسلیاں تو ہیں حد درجہ حیلہ ساز میں
نالوں کی گرم جوشیاں ۔ آہوں کی سرد مہریاں ۔ کرتی ہیں کارسازیاں عشق کے سوز و ساز میں

آپ کا دل تو پتھر ہے دل سنگ بھی تو موم ہو
ایسی ہے کچھ کمی [illegible] راز میں

راہِ تلاشِ یار میں جتنے ہیں ذرہ ہائے خاک
آنکھوں کے تارے ٹوٹ کے [illegible] امتیاز میں

روزِ سیاہ ہجر کا ہو گیا سایہ بھی شریک
لگ گیا اور ایک پاٹ طولِ شبِ دراز میں

برقِ جلال طور سوز۔ نورِ جمال دلفروز
حکمتِ سوز و ساز ہے قدرتِ حق کے راز میں

بارشِ اشک غم کے ساتھ آہوں کی بجلیاں بھی ہیں
امن کی راہ بند ہے وادیِ برق تاز میں

گرد پھرے۔ فدا ہوئے۔ لاکھوں پتنگے جل مرے
شمع بھی گھل کے بجھ گئی اس غمِ جاں گداز میں

شمع بجھی۔ سحر ہوئی۔ اُٹھ گئے اہلِ بزم بھی
رنگِ شبینہ اب کہاں محفلِ سوز و ساز میں

حد سے بڑھائے جب قدم گر گئے آپ منہ کے بل
پائے طلب اُلجھ گئے دامنِ حرص و آز میں

حسنِ نظارہ سوز پہ تاب نظر کسے شہیدؔ
مصلحتاً اُسی سے تو وہ ہیں حجابِ ناز میں

تصوف کوئی آسان چیز یا بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر کس و ناکس اسکا مردِ میدان بن سکے وہی شخص اس بحرِ ناپیدا کنار کا غواص ہو سکتا ہے جس کے دل میں محبت کا سچا جذبہ موجود ہو۔ ابتداً عرض کر چکا ہوں کہ شہیر ایک ایسا دردمند دل لے کر آئے تھے جس میں محبت کی دنیا آباد تھی سوز و گداز کے اندر عشق و محبت کا حقیقی افسانہ جسے ہم تصوف کہتے ہیں حضرت شہیر نے بہترین طور پہ پیش کیا ہے ارباب ذوق اسکا اختبار خود کر سکتے ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت شہیر دنیائے شاعری کے آفتاب درخشاں تھے ہر نوعِ سخن

پھر طبیعت کی افتادگی و عرفائے اُنھوں نے اپنے انکساری کا ثبوت دیا ہے۔ مقدمہ کی تطویل موجب پریشان خاطری ارباب ذوق ہوتی لہٰذا ہر نوع سخن پر سرسری تبصرہ سے بھی احتراز کیا گیا حضرت شہیر کا دیوان اپنے زریں دامن میں طرح طرح کے جواہر ریزے لئے ہوئے ہے، ارباب ذوق خود مشاہدہ فرمائیں گے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے استاد محترم حضرت شہیر مرحوم کے دیوان کا مقدمہ کما حقہ نہ لکھ سکے اور نہ آپ کی شخصیت کو بے نقاب کر سکے جو کچھ بھی تحریر کیا گیا ہے اس سے حضرت شہیر کی ذات بلند تر ہے۔

ارباب ذوق سے امید ہے کہ وہ جناب شہیر مرحوم کے دیوان کا خیر مقدم اُسی عزت و وقعت کے ساتھ کرینگے جس کا کہ وہ مستحق ہے۔

ہم عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان کے، ٹی، ایم اے، ایل، ایل ڈی بیرسٹر ایٹ لا، چیف جسٹس ہائیکورٹ الہ آباد کا شکر گزار ہیں کہ جناب ممدوح نے میری گذارش کو شرف قبول مرحمت فرمایا اور اس مجموعہ پر تقریظ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

ہم اپنے محترم دوست جناب امتیاز الشعرا مولوی سید محمد جعفر صاحب قدسی جائسی کے منت پذیر ہیں کہ جناب نے میری خاطر سے اس مجموعہ کا تاریخی نام تجویز فرمایا۔

ناچیز

حیدری

تعارف

(از جانشین حضرت شہید)

پہلے بچپن پھر جوانی اور کہیں آخر میں پیری آتی ہے لیکن مجبوری تلاش ڈیے حصول کا بُرا ہو کہ حضرت شہید اعلی اللہ مقامہٗ کا آخری کلام مجھکو ابتداء میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ چاہئے تو یہی تھا کہ اس وقت تک جب تک کہ ابتدا و درمیان کے کلام نہ مل جاتے میں اس آخری کلام کی طباعت کا خیال ہی نہ کرتا کیونکہ اُلٹا بہنے کو دریا بہتا تو ہے لیکن خلاف فطرت پھر عمر نوحی درکار تھی اور شاید اس پہ بھی ایسا ہونا نا ممکن ہی تھا کیونکہ تدبیر کے ساتھ ساتھ بسا اوقات تقدیر اپنے زبردست احکام جاری کئے بغیر نہیں رہتی۔ سب سے ابتدائی کلام خود جناب مصنف نے ایک مطبع کو دیا لیکن چھپنا درکنار آجتک اس نسخہ کا پتہ بھی نہ ملا۔ درمیانی کلام جو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں تھا اور جسکے لئے خود جناب موصوف نے اپنی زندگی میں دوبارہ طباعت کی کوشش فرمائی وہ بھی خدا بھلا کرے میرے ایک کرمفرما کا کہ صاف کرنے جو لیگئے تو ابتک خاموش ہیں بچا کھچا یہ آخری کلام رہا جو نہایت غیر مسلسل حالت میں میرے ہاتھ لگا اور جس میں بھی یہ خامی رہ گئی کہ مرحوم کی بالکل آخری عمر کی نظمیں کہیں بھی نہیں۔ بہر کیف جو بھی ہے بطور یادگار پیش ہے۔ نہ ہونے سے کچھ بھی ہونا اچھا ہی ہے۔

حضرت شہید خلد آشیاں کی مکمل سوانح عمری محتاج بیان نہیں کیونکہ دوبار (ایکبار ۱۹۱۲ء میں دبدبہ آصفی حیدرآباد دکن میں دوسری بار جناب صفدر مرزاپوری کی تصنیف کردہ نسخہ میں)

شائع ہو چکی ہے لیکن چونکہ دیوان کے ساتھ ساتھ کچھ مصنف کے حالات بھی ہونا ضروری تھا لہذا مختصراً لیکن جامع طور سے تبیت دو اوراق ہیں۔

نام۔ سید محمد نوح۔ تخلص شہیر۔ عمر ۷۵ سال ۱۲۷۳ھ لغایۃ ۱۳۴۸ھ

سادات عظام رؤسائے مچھلی شہر سے ہیں۔ سلسلۂ نسب پدری اٹھائیسویں پشت میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام امام دہم تک پہونچتا ہے اور سلسلۂ مادری پچیسویں پشت میں حضرت امام حسنؑ تک منتہی ہوتا ہے یعنی دادھیال سادات حسینی اور ننھیال سادات حسنی ہے۔

آپکے بزرگوار عہد سلطان علاء الدین خلجی میں شہر سبزوار متعلقہ ملک نیشاپور سے وارد ہوکر عہدہ ہائے جلیلہ پر سربلند و ممتاز رہے۔ اس خاندان کا احترام سلاطین عہد کرتے رہے عہد عالمگیری میں آپکے اسلاف ضلع الہ آباد میں آکر متمکن و زیب افزائے و سادۂ ارشاد و ہدایت ہوئے۔ جہاں کثرت اولاد و احفاد سے چند موضع آباد ہوگئے۔ آپکے جد نہم سید ابوسعید اعلی اللہ مقامہٗ کو سند زمینداری مواضعات کثیر کی ضلع جونپور صوبۂ الہ آباد میں حاصل ہوئی جسکے ذریعہ سے مچھلی شہر میں آکر قیام پذیر ہوئے جو اسوقت محض گھسوہ کے نام سے مشہور تھا۔ عہد سرکار انگلشیہ تک آپکا خاندان بہت ممتاز و سربلند رہا۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس سے آپکا خاندان یہاں آباد ہے آپکے اہل خاندان ہمیشہ عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز و ممتاز رہے اور ابتک ہیں۔ آپکے والد ماجد سید عنایت علی صاحب مرحوم خاندان موجودہ کے سردار و سرپرست تھے۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں سرکار انگریزی کی ایسی خیرخواہی اور خدمات کیں جنکے صلہ میں سرکار سے علاوہ ریاست سابقہ کے چند علاقجات زمینداری

اور عطا ہوئے علاوہ بریں اختیارات اسپیشل مجسٹریٹی تمام حدود تحصیلی شہر میں مرحمت تھے۔ آپ اپنے والد
کے خلف الصدق فرزند اکبر میں علاوہ حسن سیرت کے حسن صورت میں بھی واہب العطا
نے امتیاز خاص بخشا تھا چنانچہ خود ایک غزل کے مصرع میں فرماتے ہیں

"آپ اچھے ہیں تو میری بھی ہے صورت اچھی"

تعلیم | فارسی اور عربی کی تکمیل گیارہ برس کی عمر میں گھر ہی پر کرلی ۱۸۶۲ء میں جب آپکے
والد ماجد کا وصال ہوا اسوقت آپکی عمر پورے بارہ برس کی بھی نہ تھی لیکن ۱۸۶۸ء میں
حسب تجویز حکام ضلع آپ تعلیم انگریزی کیلئے آگرہ بھیجے گئے۔ وہاں مولوی سید محب علی صاحب
سلیس جو کالج میں ہیڈ مدرس عربی اور آپکے خاص معلم تھے ایک باکمال خوش فکر خوش گو
شاعر تھے انھیں کی صحبت کی اثر سے آپ میں مذاق شعر وسخن پیدا ہوا۔ مرزا حاتم علی مہر شاگرد
ناسخ مرحوم ان دنوں آگرہ میں استاد فن تھے۔ مولوی محب علی صاحب سلیس مشاعروں میں مقابلہ
کرتا تھا۔ آپ بھی اکثر مشاعروں میں اپنے استاد کیساتھ جایا کرتے تھے۔ اگرچہ اسوقت آپ خود کچھ کہتے
نہ تھے مگر طبیعت میں مذاق شاعری اچھی طرح پیدا ہوگیا تھا۔ آخر ۱۸۷۲ء میں جب آپ پھر شہر آئے
تو وہ شوق کی آگ جو عرصہ سے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی عنفوان شباب میں شعلہ ور ہوگئی

آغاز شاعری | اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ کے بہت قریب تر رشتہ کے چچا (جو بعد میں خ
بھی ہوئے) سید محمد ظہور ڈپٹی کلکٹر جو اُس زمانہ میں تحصیلدار فرخ آباد تھے تحصیل رخصت
وطن آئے تھے موصوف شاعری کے کمال دلدادہ و شائق تھے۔ فرخ آباد کے نامی شاعروں میں شمار
ہوا کرتے تھے وہاں کلب حسین خاں نادر کے یہاں ماہواری مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ وہیں کیطرح پہ پہلے پہل غزل

جسے سید محمد ظہور صاحب نے خوش ہو کر سنا اور پسند فرمایا۔ ہمدرد کے دل بڑھانے سے اور حوصلہ بڑھا اور پھر کہنے لگے لیکن اردو میں کم فارسی میں زیادہ چونکہ بدو شعور سے آپکو خواجہ وزیر جیسا رشید حضرت ناسخ مرحوم کا کلام بہت پسند تھا اسی عقیدت کیوجہ سے آن کے بیٹے خواجہ بادشاہ صاحب سفیر کے پاس اپنی چند غزلیں برائے اصلاح بھیجیں۔ شاعری کا شوق بڑھتا جاتا تھا اور مشق کافی ہوتی جاتی تھی اپنے حوصلہ سے زیادہ کہتے لگے اور اکثر بنارس و فرخ آباد کے مشاعروں کی طرحوں پر غزل لکھی۔ اور داد شاعری پائی۔

تبادلہ اصلاح | خواجہ وزیر کا کلام بیحد پسند تھا لیکن انکا وصال ہو چکا تھا انکے بیٹے سفیر سے اصلاح لیتے تو ضرور تھے لیکن ابتدا سے بعد خواجہ وزیر کے سید اسمعیل حسین صاحب منیر شکوہ آبادی کے رنگ شاعری کے بیحد دلدادہ تھے۔ دل میں آرزو تھی کہ اگر منشی منیر کے ملاحظہ سے کلام گزرتا تو خوب تھا مگر شرم و متاع کا سد سے اصلاح لینے کی جرأت نہ کرتے تھے تا اینکہ خود موصوف نے توجہ فرمائی اور آپ کو شرف شاگردی حاصل ہو گیا۔ اور پھر جو کچھ حاصل ہوا وہ منشی منیر مرحوم کی فیض صحبت و اصلاح کا نتیجہ تھا۔ ابتدا کے کچھ اشعار اتفاقیہ مل گئے جو درج ذیل ہیں۔

جان و دل لینے پہ جس دم آپ مائل ہو گئے — اک نظر میں سینکڑوں بے جان بے دل ہو گئے
دھجیاں جیب و گریباں کی اُڑاتے کیوں نہیں — یہ مرے دست جنوں کیوں آج کاہل ہو گئے

جان کیا نکلے گی جسم زار سے — خود دبی ہے لاغری کے بار سے
لاغری میری ثبات کفر ہے — ہوں مشابہ رشتۂ زنّار سے

شاعری کا انسداد | شاعری کا شوق بڑھتے بڑھتے ایکبارگی طبیعت مذہب کیطرف مائل

ہوگئی - اب بجائے شاعری کے کتب تنبیہہ دیکھنے کا شوق بڑھا اور مشاغل شعر و سخن کی جگہ بحث و
بحث کا سلسلہ آغاز پذیر ہوا چار پانچ سال تک کتب دینی اور بحث و مباحثہ کے بعد
طبیعت نے پھر پہلی طرف پلٹا کھایا اوسکی وجہ یہ ہوئی کہ سید محمد ظہور صاحب پنشن لے کر
وطن آچکے تھے اور ماہانہ مشاعرے کی بنیاد ڈالدی تھی - دوبارہ جو طبیعت راغب ہوئی تو
مرتے دم تک شوق کم ہونا تو کیا بڑھتا ہی گیا یہانتک کہ کئی بار سرکار کی اعلیٰ سے اعلیٰ ملازمت
کا حکم آیا لیکن یہ کہکر کہ شاعری آزاد طلب ہے - انکار کردیا - جبھی تو فرماتے ہیں -

شہیرؔ آج دنیا میں اک چیز ہوتا — مگر شاعری نے کہیں کا نہ رکھا

علمی قابلیت | یوں تو باقاعدہ تعلیم کم ہوئی مگر شوق کتب بینی نے خداداد قابلیت
پیدا کردی - اردو تو خیر مادری زبان ہی ہے - عربی و فارسی کی قابلیت بدرجہ اتم
تھی بالخصوص فارسی میں وہ ید طولیٰ حاصل تھا کہ اکثر فارس یا ایران کے مسافر آجاتے
تھے اور آپکی شستہ گفتگو و روانی زبان پر عش عش کرتے تھے اور اکثر بے ساختہ کہہ
اُٹھتے تھے کہ ہلوگوں میں کا قابل سے قابل شخص ہی آپ سے مقابلہ کرسکتا ہے - فارسی
شعرا کے دواوین قریب قریب کل نہیں تو نصف تو ضرور بر زبان تھے - عربی زبان میں
عبور کامل تھا اکثر مجلسوں میں بیان فرماتے فرماتے وہ عربی کے نکات بیان کردیتے کہ
سامعین دنگ رہجاتے - ان سب کے علاوہ سنسکرت کے بہت زیادہ دلدادہ تھے اور یہ
بھی تھے اکثر پنڈتوں سے بحثیں کر بیٹھتے تھے - فن عروض میں تو وہ دستگاہ کامل تھی کہ آخر
سا استاد فن بارہا کہہ چکا ہے اور بھرے مجمع میں کہہ چکا ہے کہ آج مرزا اوج کے بعد اگر

۱۷

کوئی واقف ہندوستان میں ہے تو حضرت شہیر کو ہے۔

خصوصیات شاعری ہمیشہ صاف کہنے کی کوشش فرماتے تھے اور شاگردوں کو بھی ہمیشہ یہی ہدایت تھی۔ تعقید کو بہت برا سمجھتے تھے لیکن اگر شعر میں مجبوراً تعقید ہو جائے اور ظاہرا شعر میں کوئی سقم نہ پیدا ہو تو جائز سمجھتے تھے۔

کبھی وفا میں نہ کی وعدہ وفا کر کے   دکھا دیا عملاً [illegible] جو کہا کر کے

ساتھ ہی ساتھ رعایت لفظی کسی جگہ نہیں چھوٹنے پاتی تھی۔ کوئی شعر ایسا نہیں جو رعایت لفظی سے خالی ہو اور یہی وجہ تھی کہ بعض شعر محض اس رعایت سے دل پسند ہو جاتے تھے۔

انکی کشیدگی نے ہزاروں کی جان لی   وہ کھنچتے کھنچتے آپ ہی تلوار ہو گئے

نشست الفاظ سے بندش اتنی چست کر دیتے تھے کہ اگر کوئی لفظ کہیں سے ہٹا لیا جائے تو اسکا بدل دوسرا لفظ رکھا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

نور کمالِ عشق سے ظلمت نہیں رہی   آلودہ مجاز حقیقت نہیں رہی

طرز بیان اسقدر صاف اور سچائی لیے ہوئے کہ جو کچھ بیان فرماتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ دراصل خود موصوف پر گزر چکا ہے چنانچہ ایکبار اپنے ایک دوست کو غزل سنائی جسمیں مذاق شراب میں ذیل کا شعر بھی تھا۔

وہ تند و تیز پلائی ہے آج زاہد کو   کلیجہ سینے پہ بیٹھے ہی پڑ گئی ہو گی

وہ حضرت اس رنگ میں بھی رنگے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ خدا کی قسم جناب شہیر آپ نے ضرور کبھی شوق کیا ہے ورنہ ہرگز ہرگز یہ شعر کبھی نہیں نکل سکتا تھا۔

مضمون آفرینی کو بہ صلاحیت فنی کی کیفیت سے جدا استعمال سے متبادل قافیے پیش کر مضمون
پیدا کر کے دکھلا دیتے کہ بائیدہ شاید۔ ایکبار حضرت داغ کے زمانہ میں طرح ہوئی۔ آستان دل
امتحان دل۔ اور استخوان کا قافیہ مشروط کر دیا۔ حضرت داغ نے تو رخ بھی نہ کیا۔ منشی
امیر احمد صاحب نے البتہ فکر کی مگر وہی بالکل الگ رہتے ہو گئے۔

"ہم نے کبھی سنا بھی نہیں استخوان دل"

لیکن جناب شہیر نے مضمون آفرینی کے جوہر دکھا دئے اور وہ شعر نکالا کہ صرف یہی اک
شعر استادی کے لئے سند ہے۔

خلقت تھی ناتمام کہ تھا صرف خون گوشت — پیوست ہو کے تیر بنا استخوان دل

رنگ شاعری طبیعت زیادہ تر تصوف کیطرف مائل تھی۔ اشعار جو ہوتے تھے وہ قریب
قریب کل معرفت میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے۔ پرانا رنگ زیادہ مرغوب تھا فرمایا کرتے تھے
کہ اشعار صاف ہوں اور بس معرفت میں ڈوبے ہوئے ہوں۔

صورت وحدت آشکار دیدۂ امتیاز میں — جوہر فرد رُو نما آئینۂ مجاز میں
رنگ رخ حنا اڑایا عشق کی تاثیر نے — لے لیا کچھ آپ نے کچھ آپ کی تصویر نے

زود گوئی شعر اسقدر جلد موزوں کرتے تھے کہ اگر کسی سے بیان کیا جائے تو شاید یقین نہ
آئے۔ ایک بار ناصری مرحوم مجلس پڑھنے تشریف لائے۔ بعد مجلس انہیں واپس جانا تھا
کسی مشاعرہ کی طرح بھی ہوئی تھی۔ باتوں باتوں میں ممدوح سے کہنے لگے کہ افسوس وقت تھوڑا
ہے ورنہ جناب کو ایک غزل کہنے کی تکلیف دیتا۔ ممدوح نے فرمایا۔ مصرعہ طرح بتائیے ابھی آپ کے

روانگی میں آدھ گھنٹہ بچے مناظری صاحب نے بھی بلالحاظ تنگی وقت طرح بتادی اور
نتیجہ یہ ہوا کہ چلتے چلتے پورے ستائیس شعر کی غزل تیار ہوگئی۔

دقت پسندی | یہ خاص بات تھی کہ جس قدر مشکل زمین ہوتی اتنا ہی بہتر غزل کہتے
تھے۔ علاوہ بریں بہت سے قیود اپنے لئے لازم کرلئے تھے منادی بلا حرف ندا کے کبھی نہیں
کہتے تھے۔ سر بالفتح فارسی ترکیب کے ساتھ اور بالکسر بلا ترکیب استعمال کرتے تھے۔ "نون
غنہ" بلا ترکیب ہرگز نہیں کہتے تھے بلکہ اگر ترکیب یا عطف نہ کرتے تو ہمیشہ "نون" کا اعلان
کیا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اکثر سامنے کے مضامین جو بلا ترکیب وعطف آسانی سے
موزوں ہوسکتے تھے آپ کو مجبوراً چھوڑ دینے پڑتے تھے جبھی تو فرماتے ہیں۔

شہیر افسوس ہے پابندی عطف و اضافت سے — نہیں تو اور کچھ بندش میں شانِ آتشیں ہوتی

اصلاح | شاگردوں کی اگرچہ بھرمار تھی اور ہر شہر میں ایک نہ ایک شاگرد آپ کا ضرور
تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ مولوی محمد رشید صاحب سہیل رئیس مچھلی شہری۔ سید
محمد سلیم صاحب سلیم مرحوم مچھلی شہری۔ محمد ہادی صاحب ہادی وکیل مچھلی شہری۔ پنڈت
جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق ڈپٹی کلکٹر سیتاپوری۔ محمد زکریا صاحب رحمت القوی کوچین
عبدالحمید خاں صاحب زیبا بی۔اے کوٹلی۔ اشتیاق احمد صاحب مشتاق سلونوی۔ حاجی مولنا
ابوالحسن صاحب حیدری فاضل غازی پوری۔ شیخ باقر حسین صاحب وقار۔ ممتاز حسین
صاحب منعم جونپوری عزیز تر تھے۔ پھر بھی ہر ایک شاگرد کی غزل کی نہایت محنت سے اصلاح
فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ غزل کے کاغذ پر غلطیوں کو لکھ دیا بھی کرتے تھے تاکہ شاگرد ہمیشہ

کے لئے متنبہ و واقف ہو جائے۔ پورا شعر بہت کم کاٹتے تھے بلکہ زیادہ تر لفظوں کے الٹ پھیر سے معنی پیدا کر دیتے یا ایک آدھ لفظ گھٹا بڑھا کر شعر میں چار چاند لگا دیا کرتے تھے۔ ایکبار سید محمد سلیم صاحب تسلیم یہ مطلع کہہ کر لائے

منہ دیکھی انکی باتیں ہیں دل پر اثر نہیں — جو کچھ ہے وہ اِدھر ہے ذرا بھی اُدھر نہیں

آپ نے دوسرے مصرع میں ذرا سی تبدیلی کر کے مصرع یوں کر دیا

جو کچھ ہے آئینہ کے ادھر ہے اُدھر نہیں

اب شعر کہیں سے کہیں پہونچ گیا۔

منہ دیکھی اُن کی باتیں ہیں دل پر اثر نہیں — جو کچھ ہے آئینہ کے اِدھر ہے اُدھر نہیں

تصانیف | تین دیوان غزلوں کے ایک دیوان قصائد کا۔ ایک ضخیم ناول تصنیف فرمایا اور آخیر وقت میں ایک رسالہ بھی فن عروض میں لکھ ڈالا۔ لیکن افسوس ہے کہ صرف چند قصائد جدا جدا شائع ہو سکے بقیہ شائع ہونا تو درکنار دو دیوان غزلوں کے لاپتہ ہی ہو گئے۔ کچھ قصائد غائب ہوئے۔ پورا رسالہ فن عروض کا جو طبع ہونے کے بعد ایک مثال ہوتا غتر بود ہو گیا صرف ناول اور دو دیوان باقی رہ گئے الحمد للہ خیر صلاح جس میں سے ایک دیوان خدا خدا کر کے شائع ہو رہا ہے مابقی انشاء اللہ شائع کرنے کی نیت ہے۔

آخری وقت | وفات سے چار پانچ برس قبل ہی تندرستی بہت خراب ہو گئی تھی ہائی بلڈ پریشر کا بیحد زور تھا۔ معدہ نہایت خراب ہو گیا تھا۔ غذا بہت کم

ہوگئی تھی۔ اطباء نے شعر و شاعری کے لئے تاکید کر دی تھی کہ قطعی ترک کر دی جائے۔
لیکن پچھلے چھ ماہ سے لوگوں کے اصرار سے کہنا ہی پڑتا تھا۔ خوب جم کر علاج ہوا
سنہ ۸۵ء کے آغاز ہی میں طبیعت بہت کچھ سنبھل گئی۔ زبان میں لکنت پیدا
ہوگئی تھی مگر قطعی جاتی رہی۔ معدہ بھی بہت کچھ درست ہو چلا تھا کہ ناگہاں
۱۰۔ ماہ رجب شب جمعہ گیارہ بجے فالج مخصوص سے زبردست حملہ کیا اور اسی
وقت چار بیٹے۔ دو بیٹیاں۔ پوتے۔ پوتی۔ نواسے۔ نواسیاں اپنی یادگار چھوڑ کر
دار فانی سے کوچ کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خادم
سروش



حضرت شہیر مچھلی شہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ فی المدح جناب خواجۂ ہر دو سرا ختم الانبیا صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ

حسنِ ملیحانِ ہند ہے نمکِ خوانِ دل   ہے دہنِ زخمِ دل ہمانت نمکدانِ دل

بڑھ گئی داغوں سے اور عزت و شانِ دل   دیکھ لے دیکھا نہ ہو جس نے گلستانِ دل

روگ محبت کا ہے اک مرضِ لا علاج   موت ہے اسکی دوا مرگ ہے درمانِ دل

تنگیٔ جا کا گلہ کس لئے وحشت کو ہے   وسعتِ کونین سے کم نہیں میدانِ دل

راہِ غزل پر چلے توسنِ طبعِ رواں   کم نہیں اس کے لئے وسعتِ میدانِ دل

مطلع

خون سے ہر دم بھرا رکھتے ہیں ہم خوانِ دل   ناوکِ بیداد ہوں شوق سے مہمانِ دل

درد تھا اب آبلہ بن کے ابھرنے لگا   میرے چھپائے چھپا کب غمِ پنہانِ دل

صبر و سکون و قرار ہو گئے بیگانہ وار   چھوٹ گئے عشق میں سب یہ عزیزانِ دل

فوج خوشی منہزم لشکرِ غم سے ہوئی   جیت لیا عشق میں رنج نے میدانِ دل

سچ ہے کہ دیوانے کو کافی ہے بس ایک ہُو   نالۂ زنجیر ہے باعثِ افغانِ دل

زخمِ جگر سے کرے لطف نظر التیام   تارِ نگہہ سے سلے چاکِ گریبانِ دل

قیدی زلفِ سیاہ کی کون سے کیا خبر
ہے تو فقط دودِ آہ سلسلہ جنبانِ دل

عشق لبِ یار میں دیدۂ خونبار سے
خاک میں ملنے لگے لعلِ بدخشانِ دل

دیکھ کر آئینۂ قلب میں تصویرِ یار
اور بھی ششدر ہوئے دیدۂ حیرانِ دل

عیش و خوشی کا مکان آہ بہت دن رہا
اب ہے خرابی کا گھر خانۂ ویرانِ دل

ان کا نکلنا بھی ہے جان نکلنے کے ساتھ
روح کے ہمراہ ہیں حسرت و ارمانِ دل

مصحفِ رخسار کے عشق کا دعویٰ ہے راست
شک ہے تو آ پڑھوا لو مجھ سے بھی قرآنِ دل

چھوڑ کے پہلو مرا ساتھ حسینوں کے ہے
پریوں کے جھرمٹ میں ہے آج سلیمانِ دل

پھوٹ گئے آبلے سینہ پر داغ کے
ٹوٹ گئے آج سب میوۂ بستانِ دل

حسرت و امید کا جب کہ ہوا قتلِ عام
آنکھوں سے بہنے لگا خونِ شہیدانِ دل

ترکِ محبت کا عہد توبۂ رنداں ہوا
نبھ نہ سکا چار دن عشق میں پیمانِ دل

جو ہو بلا گردِ یار کیوں نہ ہوں اُس پہ نثار
دل مرا اُن پہ فدا میں ہوا قربانِ دل

تابِ سماعت بھلا اس گلِ تر کو کہاں
شورِ عنادل نہیں نالہ و افغانِ دل

ایک گھڑی بھی خیال آپ کا جاتا نہیں
دل سے نکلتا نہیں یوسفِ زندانِ دل

بحر میں ہے جوش زن آنکھوں سے دریائے اشک
بھیس میں آنسو کے ہیں گوہرِ عمانِ دل

وحشتِ دل قید میں اور زیادہ ہوئی
ہو گئی زنجیرِ پا سلسلہ جنبانِ دل

کاکلِ پیچانِ یار ہو گئی دامِ بلا
اور بھی ابتر ہوا حالِ پریشانِ دل

کفر سے مانوس ہے دین سے بیزار ہے
جب سے کہ عشقِ بتاں ہو گیا ایمانِ دل

مطلعِ موزوں کوئی اور سنا اے شمیم — سن کے جسے شاد ہو دل ہے سخندانِ دل

پنجۂ وحشت سے جب ٹکڑے ہوئے دامانِ دل — پاؤں نہ پھیلائے کیوں چاک گریبانِ دل

پہونچ سکے گا کیا تا عرش نالہ و افغانِ دل — پھرتے رہیں در بدر خانہ بدوشانِ دل

اٹھتی ہے رہ رہ کے ٹیس درد سا آتا ہے کیوں — عرش سے اونچا ہے کیوں نالہ و افغانِ دل

غنچۂ خاطر کو ہے کس لئے پژمردگی — رشکِ خزاں ہو گیا کیوں چمنستانِ دل

بیٹھا میں اسی سوچ میں آگئی جو بیکسی — میں نے کہا تو تو ہے واقفِ پنہانِ دل

بہرِ خدا صاف صاف مجھ سے بھی کچھ کر بیاں — مجھکو بھی معلوم ہو حالِ پریشانِ دل

سن کے تب اس نے کہا کہنے سے کیا فائدہ — آپ گھٹا دیں گے کیا رنجِ فراوانِ دل

مونس و ہمدرد و یار کوئی نہیں جز خدا — کس سے کہوں حالِ دل کون ہے پرسانِ دل

ہے تو فقط آسرا احمدِ مرسل کا سے — جسکی محبت ہے فرض اور ہے ایمانِ دل

شافعِ روزِ جزا حضرتِ خیر الورےٰ — سیرگہِ لامکاں زینتِ ایوانِ دل

نعتِ نبی چھوڑ کر فکرِ غزل کیا ضرور — غیر کا مداح ہو کس لئے حسانِ دل

مدحت حاضر ہیں اک مطلعِ موزوں شمیم — نغمہ سرا آج ہو مرغِ خوش الحانِ دل

مطلع

آپ کی رحمت اگر ہو نہ نگہبانِ دل — صدمہ و آفات سے بچ نہ سکے جانِ دل

درس گہِ قدسیاں آپ کا ہے قلبِ پاک — عقلِ کل ادنیٰ سا ہے طفلِ دبستانِ دل

سرمۂ مازاغ سے دیدۂ باطن کھلے | نورِ یقین ہو گیا شمعِ شبستانِ دل
جلوہ گر اس میں خیال آپ ہی کا ہے مدام | عرش سے بھی بڑھ کے ہے شان میں ایوانِ دل
ذاتِ خدا کو بھی ہے آپ کی خاطر عزیز | مرضیٔ اللہ ہے تابعِ فرمانِ دل
داورِ ہر شش جہت مالکِ ارض و سما | ہے شہِ دنیا و دیں آپ کا خاقانِ دل
جتنے کہ ہیں اہلِ دل بھرتے ہیں سب دم ترا | تیری محبت کی روح اصل میں ہے جانِ دل
داغ ہے الفت تری دل کی غلامی ہے فخر | کیوں نہ ہوں میں داخلِ حلقہ بگوشانِ دل
کعبہ ہو یا لامکاں دونوں سے بڑھ کر یہ ہے | خانۂ اللہ ہے آپ کا ایوانِ دل
تیری حمایت اگر دل نہ بڑھایا کرے | مور سے کمزور ہو رستمِ دستانِ دل
گذرے ہیں جتنے نبی سب ترے مداح تھے | تیری ثنا و صفت سمجھے تھے ایمانِ دل
حضرت سبطین ہیں مصحفِ ناطق کے جزو | لختِ جگر ہیں ترے پارۂ قرآنِ دل
غیرتِ اظہار کا واسطہ دیتا ہوں میں | آپ مٹا دیجئے حسرت و حرمانِ دل
آپ ہیں ابرِ کرم آپ ہیں بحرِ عطا | جلد بجھا دیجئے آتشِ سوزانِ دل
مجھ سے نہ کہوائیے خود ہی سمجھ جائیے | آپ سے پنہاں نہیں مطلبِ پنہانِ دل
چھوڑ چلا دل مجھے روکنے سے کیا رکے | رہ نہیں سکتا میں اب دست بدامانِ دل
آپ جو سن لیں تو بس جمع ہو خاطر مری | ورنہ میں کیا کہوں حالِ پریشانِ دل
آپ کا دستِ شفا درد کا میرے دوا | ہاتھ لگایا جہاں ہو گیا درمانِ دل
دل میں کہاں تک گھٹے ولولۂ جوشِ شوق | قید میں کب تک رہے یوسفِ زندانِ دل

جانتے ہیں آپ سب حالِ دلِ اہلِ ضمیر   آئینہ ہے آپ پہ پوشیدہ ارمانِ دل

عرصہ ہوا کس طرح بیتے گا قلبِ حزیں   بیٹھا ہوا کرتا ہوں اب بے چینیِ پیکانِ دل

دل ہی وہ کیا کرے جس میں کہ ہو دلبری   رکھے ہو وہ دل کس طرح تو دیدۂ ایمانِ دل

دل کی لگی میں کمی دیدۂ تر سے ہو خاک   آنسوؤں سے کیا بجھے آتشِ سوزانِ دل

عرض یہ ہے آخری کب سے ہے اُجڑا ہوا   کیجئے آباد پھر شاہا نہ ویرانِ دل

پانچ برس ہو چکے صبر کی طاقت ہے طاق   کاہشِ درد و الم میں جاتی ہے اب جانِ دل

قلبِ شبیرِ حزیں پایا ہے اب غم میں
اے شہِ دنیا و دیں کھوئے حرمانِ دل

قصیدہ در منقبت غالبِ کل غالب مولنا علیؑ ابن ابیطالب

موسوم بہ گلِ مراد

کس گلبدن سے ہونے لگے ہمکنار پھول   کس کے گلے کا بنتے ہیں ہر وقت ہار پھول

رہتے ہیں نکہت سے سرِ شاخسار پھول   دوشِ نسیم پر نہیں ہوتے سوار پھول

شبنم سے شب کو رہتے ہیں کیوں اشکبار پھول   کیا عندلیبِ زار کے ہیں سوگوار پھول

غنچوں سے رازِ بستۂ قدرت کی ہے کشود   دیتے ہیں درسِ معرفتِ کردگار پھول

سر پہ انھیں چڑھاتے ہیں جو ان کے سر بلند
خالی ہیں دشمنوں سے ہیں والا وقار پھول

کچھ کم نہیں شہیدوں سے دل پر جو داغ ہیں بہار
پہ ترنج پر رنگ لالہ ہے آتشِ اقتدار پھول

عاشق کی سیر سے کبھی آنکھیں ہیں پھیرتی سیر
دم بھر ہوئے نہ دامنِ گلچیں کو بار پھول

پڑھ کر وضو ہے جو رکھتے ہیں منہ صاف صبح کو
شبنم سے شب کو دھوتے ہیں گردِ غبار پھول

ہوتے ہیں کانٹے باغ میں صیاد و باغباں
بلبل کی کچھ خطا ہے نہ تقصیر وار پھول

زیرِ زمیں سے آتے ہیں بیچارے زر بکف
لٹ جاتے ہیں چمن میں غریب الدیار پھول

دل صاف ہو تو جلوۂ عارض کی کیا کمی
ہر دم دکھائیں آئینۂ بے غبار پھول

سنکی ہوئی ہے آج گلستاں میں کچھ ہوا
جنبش ہے ڈالیوں کو تو ہیں بیقرار پھول

تربت شہیدِ ناز کی خالی نہیں رہی
گل ہو کے بن گیا ہے چراغِ مزار پھول

گلہائے داغِ عشق کی ہر دم بہار ہے
آتے ہیں سال بھر میں کہیں ایک بار پھول

ہاں اے شہیر رنگِ تغزل تو ہو چکا
اب باغِ منقبت میں دکھائیں بہار پھول

مطلع

کیا شاہدِ چمن کے ہیں آئینہ دار پھول
دکھلاتے ہیں جو حسنِ عروسِ بہار پھول

جوشِ نمو کچھ ایسا ہے اردی بہشت میں
ایک ایک شاخِ گل میں کھلے ہیں ہزار پھول

فصلِ بہار آ گئی گلشن میں عید ہے
پہنے ہوئے ہیں پیرہنِ زرنگار پھول

جوشِ طرب ہے باغ میں بلبل ہے نغمہ سنج
سنتے ہیں ذوق شوق میں صوتِ ہزار پھول

کلیاں چٹک رہی ہیں گلستاں میں جابجا
دیتے ہیں بلبلوں کو صدا بار بار پھول

ان میں کبھی نہ غنچۂ و بلبل میں ہونگی بات
غنچوں کا کریں چمن میں گفتگو سے ہزار پھول

ہنگامہ سرود و بہار آشنا نہیں
سنہ نوش کرتے ہیں طلب یار بار پھول

پھولے نہیں سماتے جوانان بوستاں
کیا شاد و کیا نہال ہیں سب برگ و بار پھول

نوروز کا ہے روز زمانہ میں عید ہے
ہر بار روزگار سے ہیں ہمکنار پھول

ہے خرمی کا رنگ چمن میں چمن چمن
گلشن میں آج باغ باغ ہیں بے اختیار پھول

سرخوش ہیں ایسے بادۂ خم غدیر سے
مستی میں اب سنبھلتے نہیں بادہ خوار پھول

ہے آج آپ کے جشن خلافت کی یہ خوشی
جس کی شمیم مہر سے ہیں عطر بار پھول

یہ جس کے دم سے باغ رسالت کی ہے بہار
جس کے مطیع حکم ہیں سب برگ و بار پھول

وہ جس کے بوئے خلق سے گوہر ہیں بس گئے
نکہت سے جس کی پاتے ہیں رنگ بہار پھول

وہ جس کے زور پنجۂ و بازو کے سامنے
معلوم ہوتا تھا در خیبر کا بار پھول

دست خدا و بازوئے محبوب کبریا
جس پر فرشتوں نے کئے اکثر نثار پھول

ضرغام حق امیر امم نائب رسول
گلزار دیں میں جس سے کھلے ہفت چار پھول

یعسوب دیں و قاعد غر المحجلین
مجرے کو جس کے خم ہیں معہ شاخسار پھول

زوج بتول صہر نبی۔ مرتضیٰ علی
بھیجا خدا نے جس کے لئے عطر بار پھول

دم بھر رہے ہیں جس کا جوانان بوستان
جس کی ہوا میں کھلتے ہیں لیل و نہار پھول

مطلع۔ شہیر مدحت حاضر ہیں وہ ثنا
اک تازگی کو جس کی نہ پہونچیں ہزار پھول

در پیش کیوں تجھے گل مضموں کی ہے تلاش
بکھرے ہوئے ہیں تیرے یمین و یسار پھول

چاہیں نہ آپ تو نہ کھلیں [illegible]   دل تنگ فصلِ گل میں ہیں غنچہ وار پھول

جس جا سے حضور چلے [illegible] گیا   نقشِ قدم سے ہو گئے پیدا ہزار پھول

روشن ہوئی پالکی [illegible] آپ سے   جس طرح جلوہ گر ہوں سر شاخسار پھول

رطب اللسان ہو وصف [illegible] میں ہوں اگر   ہو جائیں خشک مثلِ لبِ روزہ دار پھول

گلشن سے پھیر لیں نظرِ لطف اگر حضور   حاصل نہ کر سکیں کبھی عز و وقار پھول

بیقدر ہی نہ دیدہ بلبل میں ہوں فقط   آنکھوں میں بھی کھٹکنے لگیں مثلِ خار پھول

شمعِ رخِ حضور کا پرتو جو دیکھ پائیں   بلبل تو کیا ہے آپ ہوں پروانہ وار پھول

چاہیں اگر حضور تو ممکن محال ہو   گاوزمیں کی شاخ میں پھولیں ہزار پھول

مرضی پاک ہو تو ہمیشہ رہے بہار   واقف نہ ہوں خزاں سے کبھی زینہار پھول

ماہیت آپ چاہیں تو دم بھر میں بدل   ہو جائیں پھول خار تو بن جائیں خار پھول

پائیں جو حکم بھرنے لگیں دم ہزار کا   کریں خوشی سے جبر کو بھی اختیار پھول

ہاتھ آئی جو خدا سے وہ شمشیر برق دم   ہم سنگ جس سے ہونے کو امیدوار پھول

ایسی سبک کہ برگِ گل تر سے بھی خفیف   تلوار ہے کہ تیغ جواہر نگار پھول

صاف اسقدر کہ عارضِ محبوب جس کے مانند   دیکھیں جھلک تو باغ میں ہوں شرمسار پھول

ہر معرکہ میں جس نے کہ اعدا کے جسم پر   گلہائے زخم سے کئے ظاہر ہزار پھول

نخلِ حیات کرتی تھی کفار کے قلم   پھل دیتے کیا سپر کے دمِ کارزار پھول

رنگیں ترا جبیں کی بھی سخاوت میں کم نہیں — [illegible] گہر بار پھول

مٹی ہاتھیوں کے خون سے گلرنگ اس قدر — [illegible] پھول

تعریف کیا میں اسپ سبک سیر کی کروں — [illegible] بار پھول

سرپٹ بھی دوڑے تو کوئی ٹوٹے نہ پنکھڑی — [illegible] پھول

باریک جلد برگ گل تر سے بھی لطیف — [illegible] ہوں شرمسار پھول

کلیاں ہیں یاسمن کی کہ اوس کی کنوتیاں — ہیں پاؤں شاخ گل تو تمام راہوار پھول

آن آنکھڑیوں کو دیکھ کے آہو سے چین اگر — نرگس کو جان دے کہ ہے اک بے وقار پھول

ہے اس سبک روی میں گراں قدر اس قدر — جس پھول پہ جمے وہ ہو عالی وقار پھول

پھولوں پہ اس کے نعل کا پرتو اگر پڑے — دکھلائیں جلوہ مہر تو بار بار پھول

گلگشت کا اسی کے یہ فیض و طفیل ہے — دامن میں ہے بھرے ہوئے باد بہار پھول

فردوس ہے چمن در دولت کے سامنے — نرگس نگاہبان ہے تو ہے چوبدار پھول

قطعہ

احسان کش حضور کے سب انبیا رہے — بہر خلیل ہو گئی کس طرح نار پھول

احصائے وصف پاک سراسر محال ہے — گلزار منقبت میں تو ہیں بے شمار پھول

ہر شجر تر بفرض گل تر بھی ہو اگر — یا اور اسی طرح کے ہوں چندیں ہزار پھول

شمہ بھی پورے خلق علی کا نہ ہو بیاں — گویا ہزار بار ہوں مثل ہزار پھول

بس اے شہیر بس کہیں ترک ادب نہ ہو — کافی ہیں اس ردیف کے بہر نثار پھول

اے آرزوئیں حسرتیں دل کی شگفتہ ہوں — تو بوستانِ دہر میں پائے کیا کیا بہار پھول

کھلا شگفتگی ہو حسرت دل کی آرزو کے باغ میں — ہو جائیں میرے واسطے یا رب جو خار پھول

پھل پائے نخلِ حسرت کا سینے میں درخت — ہر شاخ آرزو میں لگے ہوں ہزار پھول

محشر میں اس قصیدہ کو پیش حق پڑھوں — بات علی کی منہ سے جو جھڑیں بار بار پھول

گلہائے آرزو سے بھروں دامنِ مراد — پاسے معنی میں طرح سے مدحت نگار پھول

مداحِ علی سے یہ حاصل ہو مرتبہ
حوریں کریں بہشت میں تجھ پر نثار پھول



دیوانِ اللہ [illegible]

ردیف ا

طائرِ جاں ہے مرا محبوس ہی آگاہ کا
دم [illegible] ہے [illegible]

دل میں درد عشق ہے پیدا ہوا ہو کیں ابتدا
یوں بالا عرش پہنچی [illegible] آہ کا

ذات حق کیا ہے اکثر [illegible] لا شریک
خالی ہے [illegible] اللہ کا

آبرو ہے درد دل ہے گر نہیں الفت نہیں
وہ حساب عشق کیا [illegible] آہ کا

وادیٔ قدس اپنا صحرا ہے جنوں اے قیس ہے
پاؤں کیا آنکھوں [illegible] کا

سعی یکساں ہے طریق جستجو ہے مختلف
تو ہی ہے مقصود ہر اک سالک گمراہ کا

یہ مرا عشق مجازی ہے حقیقی واقعی
رخ سوئے دار العلم ہے قصد [illegible] اللہ کا

کس قیامت کا وہ اے اہل نظر ہوگا سماں
عرصۂ محشر لقب ہے جس کی [illegible] گاہ کا

عشق کی سرکار میں فرق مراتب کچھ نہیں
ایک رتبہ ہے یہاں دونوں گدا و شاہ کا

جلوہ گر ہے دیدۂ عشاق میں وہ حسن پاک
جس طرف دیکھیں نظر آئیگا نور اللہ کا

ایک ہی ہیں یوں تو دونوں حیدر و احمد بشیر
فرق ہے لیکن مراتب میں وزیر و شاہ کا

۲۳ ماہ ستمبر ۱۹۱۹ء

نہ تم پیدا جو عالم میں اگر ہاں تم محبوب خدا ہوتا — تو ایسا کون ہوتا جو حبیب کبریا ہوتا

نبی کی ذات میں پیدا اگر کچھ سایہ ہی کیا ہوتا — بجائے نام اگر ہوتا بھی تو ظلِ خدا ہوتا

شبِ معراج اگر پردہ بھی اٹھ جاتا تو کیا ہوتا — خدا اک سمت ہوتا اک طرف نورِ خدا ہوتا

شفیع المذنبیں تشریف لائے خیر گذری — نہیں تو حشر میں ہم عاصیوں کا حشر کیا ہوتا

اگر یکتائی حسنِ نبی پردہ اٹھا دیتی — حجابِ قدس کا رازِ خدا بھی برملا ہوتا

نہ لولاک اگر ہوتے شہا اصلِ مقصدِ خلقت — تو پھر کتمِ عدم میں جلوۂ ارض و سما ہوتا

چھڑا کر مجھکو ہند سے یثرب میں بلواتے — تو میرا کام ہوتا یا نبی - نام آپ کا ہوتا

لگاتا پھرتا پھیری رات دن یثرب کی گلیوں میں
ترے در کا فقیر اے شہ شہیر بے نوا ہوتا

یہ آنکھیں کھلیں جب سے کیا کیا نہ دیکھا — مگر دیکھنا جس کو چاہا نہ دیکھا

یہ تنہائی وحشت غربت کی حد ہے — کبھی دھوپ میں اپنا سایا نہ دیکھا

بتوں کی جگہ اور عاشق کے دل میں — کبھی سنگ و شیشہ میں یارا نہ دیکھا

اگر دید سے کام ہی کچھ نہ نکلا — تو کیا فائدہ جیسے دیکھا نہ دیکھا

لہو سے بھری اپنی چٹکی تو دھوئی — مگر تم نے میرا کلیجا نہ دیکھا

بُرا مان جاتیں وہ بیمار آنکھیں — یہ اچھا ہوا تجھکو اچھا نہ دیکھا

مری چشمِ پُرآب اب تم نے دیکھی — نہ کہنا کہ کوزے میں دریا نہ دیکھا

یہاں دیر میں کی نہایت شوخیاں تو نے　　وہاں پہنچ کر حرم میں ... [illegible]

کہوں کیا شہیر اس کی شوخی کا عالم

کہیں میں نے ایسا چھلاوا نہ دیکھا

پیاس پر اسکی مرے دل کا بھی دل بھر آیا　　جب زباں اپنی نکالے ترا خنجر آیا

بن کے ارمان مرے دل میں وہ خنجر آیا　　ظالم آیا بھی تو کیا بھیس بدل کر آیا

سوئے دل شکر ہے اب ناوک دلبر آیا　　ایک مہمان عزیز آج مرے گھر آیا

جب کبھی آن کے پکارا ہے کسی غیر کو بھی　　بول اٹھا ہے یہ میرا دل مضطر آیا

غل ہوا عاشقوں میں ہے وہی پہچان لیا　　مجمع حشر میں جب داور محشر آیا

بدنصیبی میں رہی کیفیت دور شراب　　جام کی طرح جو گردش میں مقدر آیا

وہ چلے جب تو نقیبانہ صدائیں دیتا　　ان سے پہلے مرے گھر فتنۂ محشر آیا

عدم آباد ہے کس طرح کا دلچسپ مقام　　جو گیا پھر نہ وہاں سے کبھی پھر کر آیا

حور و کوثر کے بھلاوے ہیں نہ رند آئینگے　　تو نے اے شیخ کہا اور انہیں باور آیا

سامنا تھا جو کسی شوخ خود آرا کا شہیر

عکس بھی آئینہ میں ٹھاٹ بدل کر آیا

جو بام پر وہ بت بے نقاب آئیگا　　نکل سکے گا نہ سورج حجاب آئیگا

ہزار پیری میں رنگ خضاب آئیگا　　مگر نہ کام یہ نقلی شباب آئیگا

کبوترا اے دل مضطر شتاب آئیگا　　ٹھہر ٹھہر مرے خط کا جواب آئیگا

ابھی تو صرف لڑکپن کی شوخیوں سے ہے غفلت | غرور جب آئیگا جس دم شباب آئیگا
بہار آئی تو ہے پھر غرور ٹوٹنے کی | کبھی نہ پیتے تھے جسے شراب آئیگا
عرق عرق نہ ہوں گرمی وصل سے کیونکر | بڑھیگا جوش تو کھینچکر گلاب آئیگا
کبھی تو جذب محبت اثر دکھائیگا | کبھی تو خط کا ہمارے جواب آئیگا

خبر ہے تیجے میں اس رشک گل کی آمد کی
شہیر پھولوں میں میرے گلاب آئیگا

عرش وہ آستان ہے گویا | گھر میں کرسی کی شان ہے گویا
اب خرابے سے ہو کا عالم ہے | گر کے گھر لامکان ہے گویا
ظلم اس کا عرش پر اب ہے | پیر گردوں جوان ہے گویا
کیا دھواں چھا رہا ہے آہوں کا | یہ بھی اک آسمان ہے گویا
کتنی پیاری ہے نازکی تیری | ناتوانی کی جان ہے گویا
نیستی ہی ہماری ہستی ہے | بے نشانی نشان ہے گویا
تم اگر ہو تو لطف دنیا ہے | جان ہے تو جہان ہے گویا
ذکر حوروں کا ہے مرے آگے | یہ مرا امتحان ہے گویا
لب خاموش سے نہیں ہلتی | لاکھ منہ میں زبان ہے گویا
تیر کرتا ہے خاطریں دل کی | اٹھے خود میزبان ہے گویا
تیر سا تھا جو قد شہیر کبھی | اب وہ جھک کر کمان ہے گویا

نظر نہ آتے تھے [illegible] تصور میں سے گیا — تمھیں تو [illegible] نہ رہا سے گیا
آئی سمجھ [illegible] — چھپ نہ دل سے کبھی [illegible] سے گیا
کبھی نہ [illegible] — ہمیشہ [illegible] سے گیا
نگاہ پاک کی مستی ہوئی نہ دید میں کم — زیادہ کیف نہ شراب طہور میں سے کیا
خراب و صبر گئے آہ ہو گئی تقویت — فریب دل جو تجھے آنکھ بھی دو بیں نے کیا
کسی میں شان نہ پایا ہے حسن جاناں کو — بہت مشاہدۂ نار و نور میں نے کیا

وہ شست ہوں اسیر اپنی بات کا میں دھنی
کہا جو میں نے بالضرور میں نے کیا

مشاعرہ رائے بریلی ۲۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ء

نہ ہم تیغ کوئی شور نہ کچھ شر ہوتا — آرزو تھی یہ گلا اور وہ خنجر ہوتا
اور پابستہ تو اے فتنۂ محشر ہوتا — کسی خوش قد کے اگر پاؤں کی ٹھوکر ہوتا
اپنے آپے سے جو اس بزم میں باہر ہوتا — میرا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر ہوتا
خوش مزاجی کی ہوا بزم طرب میں بندھی — میرے پھولوں میں جو دوریٔ و ساغر ہوتا
اس قدر لاف زنی اے بت ترا قاصد کیوں ہے — جھوٹے دعووں سے نہیں کوئی پیمبر ہوتا
نیستی ہی کے لئے جب تھی یہ ساری ہستی — ایسے ہونے سے نہ ہونا کہیں بہتر ہوتا
دل نہ مل جاتے تو کیوں صلح سے آنکھیں لڑتیں — ٹیڑھے تم رہتے تو سیدھا نہ مقدر ہوتا
اچھے رہتے ہیں غزل گوئی میں مجھ سے وہ شہیر — حشو و تعقید کا جن کو نہیں کچھ ڈر ہوتا

غزل نعتیہ جو بطرحی مشاعرہ انجمن کراچی میں ۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۶ء پڑھی گئی

مرے دل کو نہ کوئی اور آرزو ہے خدا دینا ‏ ‏ مگر درد و غم عشق محمد مصطفیٰ دینا
ابھی غنچہ افسردہ خاطر کھلا دینا ‏ ‏ مجھے اپنے حبیب پاک کا روضہ دکھا دینا
غلام اسکا میں ہوں جسکا لقب یٰسین و طٰہٰ ہے ‏ ‏ فرشتو سر پہ تم قرآن کی مجھ کو ہوا دینا
یہاں دنیا میں اپنے عشق سے جسطرح عزت دی ‏ ‏ وہاں عقبیٰ میں بھی اے بادشاہ دوسرا دینا
عجب لٹکا تجھے یہ یاد ہے اے زلف پیغمبر ‏ ‏ پھنسا کر لیتے ہیں بندہ خلائق سے چھڑا دینا
یہی دو چیزیں قسام ازل سے میں نے مانگی تھیں ‏ ‏ دل درد آشنا و عشق محبوب خدا دینا
مدینہ کے سفر کا کب سے بخت خفتہ عازم ہے ‏ ‏ ذرا اے نالۂ شبگیر اسکو بھی جگا دینا

فقیر عشق پیغمبر ہوں میں دیوانۂ الفت
صدا یہ گلیوں میں پھر پھر کہ شہا بینوا دینا

۱۴ مئی سنہ ۱۶ء

نہ اپنے کشتۂ غیظ و غضب کو تم بھلا دینا ‏ ‏ بجائے گل لحد پر آ کے تیوری ہی چڑھا دینا
ابھی تم عرصۂ محشر کو بھی مقتل بنا دینا ‏ ‏ وہاں بھی ہاتھ سے اپنے نہ شمشیر ادا دینا
تیری رفتار بھی اے فتنہ قامت اک قیامت ہے ‏ ‏ گزرنا جس طرف ہنگامہ محشر مچا دینا
مرا دم گھٹ رہا ہے گرمیٔ شوق شہادت سے ‏ ‏ ذرا شمشیر کے دامن سے اے قاتل ہوا دینا
فقیر عشق و الفت ہوں مرا تو یہ وظیفہ ہے ‏ ‏ کسی کے پیارے منہ کی گالیاں کھا کر دعا دینا
ضرورت کیا میں کیوں منت کش شور قیامت ہوں ‏ ‏ لگا کر ایک ٹھوکر قبر سے مجھ کو اٹھا دینا

بلا سے ہم سمجھتے ہیں کیا سمجھے پھر لیے آئے — ترا پڑھ کر نامہ ہم نے تو رقیب کو سنا دینا
حضور دل نے مختصر بیان واقعاتی ہیں — کبھی کچھ بھول جاؤں تو پھر تم ہی بتا دینا
ذرا تھا چھیڑیاں ہر گز نہ پیارے پیارے ہاتھوں کی — ہمارے روگ میں اس رسم ہی کو تم اٹھا دینا

شہیر اب چشم دریا بار سے اپنی یہ حالت ہے
جہاں جا بیٹھنا دم بھر وہیں طوفاں اٹھا دینا

طرح غنچۂ جاوید ماہ اگست ۱۹۰۸ء

زیادہ ساز و ساماں کچھ نہیں اے باغباں میرا — بنا ہے چار تنکوں سے چمن میں آشیاں میرا
شباب بیوفا کی کس سے اے پیری خبر ملتی — پھر اب تک نہ جا کر قاصد عمر رواں میرا
وفاداری کے جوہر آپ ہو جائینگے آئینہ — تمہیں خود حال کھل جائیگا وقت امتحاں میرا
رواں ہے قافلہ اشکوں کا ہر دم چشم گریاں سے — چلا جاتا ہے روز و شب برابر کارواں میرا
ادائے عرض مطلب میں غضب کی کامیابی ہے — عجب حسن طلب رکھتا ہے انداز فغاں میرا
تفاوت ہے زمین و آسماں کا عجز و نخوت میں — خیال حسن و عشق اے دل کہاں انکا کہاں میرا

شب فرقت کا سویا شور صبح حشر سے چونکا
شہیر اس سے زیادہ ہوگا کیا خواب گراں میرا

غنچۂ جاوید ۱۶ ستمبر ۱۹۰۸ء

تا دامن جاناں وہ رسا ہو نہیں سکتا — جو ہاتھ کبھی دل سے جدا ہو نہیں سکتا
ہو سکنے کو یوں آپ سے کیا ہو نہیں سکتا — ہو لاکھ۔ مگر عہد وفا ہو نہیں سکتا

سایہ سے بھی میرے ہے اثرِ ضعف نمایاں — جب تک نہ عصا ہو مرا لاشہ کھڑا ہو نہیں سکتا

کیوں قتل کے اقرار میں تم کو ہے تامل — کیا عہد وفا ہے کہ وفا ہو نہیں سکتا

پیکاں ترے تیر کا پیوست ہے دل میں — اب گوشت سے تا حشر جدا ہو نہیں سکتا

آزارِ محبت مجھے اے چارہ گر ہے — میں قائل ہوں یہ تیر دوا ہو نہیں سکتا

کیا داورِ محشر سے کروں شکوۂ بیداد — مجھ سے تو حسینوں کا گلا ہو نہیں سکتا

دل تم سے لگا کر میں کسی اور کو چاہوں — ایسا کبھی مجھ سے بخدا ہو نہیں سکتا

دشوار یہ ہے دل نہ بجھے آہ کشی میں — یکجا ہوں بہم شمع و ہوا ہو نہیں سکتا

صورت ہی بنا دیتی ہے ہر آن کو مشکل — بے حسن کے انداز ادا ہو نہیں سکتا

نخوت کا اُدھر ڈھنگ اِدھر عجز کا آہنگ — وہ مل نہیں سکتے ہیں جدا ہو نہیں سکتا

قاتل سے جو مل جائے وہ قاتل ہے کہ دل ہے — یہ دشمنِ جاں دوست مرا ہو نہیں سکتا

بازآئیے پیری میں تو اس بوالہوسی سے
اب بھی یہ شہیر آپ سے کیا ہو نہیں سکتا

مطبوعہ باغ سخن ماہ جولائی ۱۹۳۰ء

اے اجل آ۔ فراق یار میں آ — کب سے ہوں تیرے انتظار میں آ

کیا ترا کام وصل میں اے نیند — ہجر میں کل مرے مزار میں آ

کہتی ہے پا سے شوق سے وحشت — سوئے صحرا ہوا سے خار میں آ

جیتے جی سیر خلد کر لے شیخ — آ مرے ساتھ کوئے یار میں آ

ملے غمِ مرگِ آرزو سے کچھ کم — تو مرے قلب سوگوار میں آ
جس طرح آتی ہے خوشی دل میں — یونہیں اے مسرت بحیرِ یار میں آ
آن سے قول و قرار ہوتا ہے — اب تو اے دل ذرا قرار میں آ

کنجِ عزلت سے اے شہیر نکل
بزمِ رندانِ بادہ خوار میں آ

غزل مشاعرہ آگرہ ۱۲ جولائی ۳۱ء

دم آج زیرِ خنجرِ قاتل نکل گیا — سب عمر بھر کا حوصلۂ دل نکل گیا
ٹھہرا نہ دل میں ناوکِ قاتل نکل گیا — مہمان گھر میں ہوتے ہی داخل نکل گیا
آخر کلیم لا نہ سکے تابِ برقِ طور — جتنا تھا زعمِ دعویٰ باطل نکل گیا
نورِ جمالِ یار کہاں آئینہ کہاں — حیران ہو کے مدِ مقابل نکل گیا
تم نے ادائے حسن میں ہمدردیاں جو کیں — قابو سے میرے اور مرا دل نکل گیا
بہرِ عیادت آئے وہ بعدِ اجل تو کیا — جو وقت تھا مرے لیے مشکل نکل گیا
خط دیکے اُن کے نام کا میں خود ہی شوق میں — ہمراہ نامہ بر کئی منزل نکل گیا
میری گلی سے شب کو نہ گزرا وہ رشکِ ماہ — کترا کے راستہ مہِ کامل نکل گیا
آنسو کی اب تری بھی پلک پر نہیں رہی — دریائے اشک چھوڑ کے ساحل نکل گیا
حیرت نہ کیوں ہو واعظِ ناداں کی علم پر — کیسا پڑھا لکھا ہوا جاہل نکل گیا
خونِ جگر کو پی کے ہوا ہو گیا وہ تیر — مطلب جب اُسکا ہو گیا حاصل نکل گیا

مقتل میں نعش کشتہ بسمل پڑی رہی — بسمل تو رہ گیا دمِ بسمل نکل گیا
پھولی بہار کچھ جنت وہاں رہی — جس راہ سے وہ حور شمائل نکل گیا
اقرار قتل کر کے نہ وعدہ کیا وفا — دیکر زبان خنجر قاتل نکل گیا

خالِ رخِ نگار جسے جانتے تھے ہم
آخر شہیر آنکھ کا وہ تل نکل گیا

آئینہ خانہ میں جب وہ جلوہ آرا ہو گیا — عالمِ وحدت میں کثرت کا تماشا ہو گیا
آستینیں فیضِ چشمِ تر سے موجیں بن گئیں — اشکوں سے دامن مرا دامانِ دریا ہو گیا
خاکساری سے صفائی قلب کے جوہر کھلے — راکھ کے ملنے سے آئینہ مصفا ہو گیا
آج وہ بے چارا بیمارِ محبت چل بسا — تم جسے کل تک سمجھتے تھے کہ اچھا ہو گیا
دردِ دل کو ساتھ لیکر بزمِ جاناں سے اٹھا — بیٹھے بٹھلائے خدا جانے مجھے کیا ہو گیا
ذکر پر محرابِ ابرو کے جھکا سر شوق میں — آیتِ سجدہ کو سن کر فرض سجدا ہو گیا
زرد چہرا لب پر آہ۔ آنکھوں میں آنسو دل میں درد — چار ہی دن میں یہ کیسا حال میرا ہو گیا
بہتے بہتے بوند بوند آنسو کے سیلاب آ گیا — قطرہ قطرہ جمع ہوتے ہوتے دریا ہو گیا

ہو گئے مشہور حسن و عشق سے دونوں شہیر
ہر جگہ چرچا مرا اور اُن کا شہرا ہو گیا

بر طرح فرمائشی قلم برداشتہ جولائی ۱۹۱۰ء

دل نے سوز و غم و الفت کا سبق سیکھ لیا — مطلب و معنی مضمونِ ادق سیکھ لیا

عشق میں پیدا ہے کس درجہ ترقی سیکھ لیا — ہم نے شوقِ ناز اُلفت کا سبق سیکھ لیا

پھر جنوں میں ہوا یاد شیوۂ فلک تیرا — کہ شعورِ حسن کا سب آئینِ عشق سیکھ لیا

کیا کہوں میں نو آموزِ محبت نہیں اب — سیکھ لینے کا جو اشتیاق تھا سبق سیکھ لیا

مصلحت پرستی میں بے تابیِ دل سے آخر — تم سے جس طرح تکیہ نے عشق سیکھ لیا

ہوشیاری سے بھی دیوانگی خالی نہ رہی — عقل کو کھو کے محبت کا سبق سیکھ لیا

بیوفائی سے تری اور وفا سے اپنی — میں نے الحق سبق ناحق و حق سیکھ لیا

جو پڑھایا ہمیں استادِ ازل نے وہ پڑھا — جو سکھایا ہمیں فطرت نے سبق سیکھ لیا

کیوں نہ ہو پیدا مجھے اطلاق قوافی کی شہیر
میں نے جب قاعدۂ نظم نسق سیکھ لیا

غزل تضمین بر مصرع طرح

فیض کا مبداء فیاض نے حق سیکھ لیا — اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

تو کریم اور الٰہی ترا محبوب کریم — اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

کیوں پیمبر کو نہ ہو امتِ عاصی کا خیال — اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

کیوں نہ ہو فیضِ اتم تیرے کرم کا ممنون — اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

تجھ سے رحمٰن و رحیمی کی صفت سے موصوف — اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

تیرے فیضانِ کرم سے ہے کرم بھی ممنون — اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

اک نمونہ تری رحمت کا ہے یہ فیض مطیر — اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

تری زباں سب صفت ابر کرم میں ہیں چھپی — اس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا
جس میں جس جس میں صفت جود و عطا ہے پایا — اس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

سب یہ تضمین میں اس طرح کے مصرع کی شہیر
اس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

۱۰ر اگست [illegible]ء

جمالِ شاہدِ یکتا کا جلوہ یار میں دیکھا — جو رنگ حسن اصلی ہے گل رخسار میں دیکھا
تماشا یہ دمِ نظارہ دیدار میں دیکھا — کہ اپنا عکس اس آئینہ رخسار میں دیکھا
برابر ہی ہے حسن و عشق میں تعداد حرفوں کی — فقط واو و الف کا فرق نور و نار میں دیکھا
کرم میں بھی جو شوخی ہے ستم کی چھیڑ جاری ہے — دل آزاری کا پہلو شوخی تیغ نگہ یار میں دیکھا
دماغِ شیخ تھا پر نور شب کو جام بادہ سے — چراغ اک ہم نے روشن شیشۂ دستار میں دیکھا
ازل سے دیدۂ مشتاق ہیں جلوے کے جویا تھے — سمجھتے تھے اب اس کو جمال یار میں دیکھا
چھپائے سے کہیں حسن نہاں افروز چھپتا ہے — اسی کو نور میں دیکھا اسی کو نار میں دیکھا
لہو میں لاکھ ڈوبے خون کا دھبہ نہیں آتا — یہ جوہر بھی تمھاری تیغ جوہر دار میں دیکھا
نہیں ہیں مانعِ صحرا نوردی پاؤں کے چھالے — تمھارے وحشیوں کو وادی پرخار میں دیکھا
عیاں ہے پردہ داری میں بھی شان جلوہ آرائی — تماشائے حجابی کا حجاب یار میں دیکھا

لڑی ہیں جب شہیر آنکھیں کسی خورشید طلعت سے
شعاعِ مہر کا عالم نظر کے تار میں دیکھا

ستمبر سنہ ۱۵ء

نہ نقاب روئے جس نے کبھی وقت خواب الٹا
وہی ساتھ سو کے شب بھر نہ ہوا کبھی نقاب الٹا

ہوا خط کا سبب ہی جانا سبب عتاب الٹا
کہ طلب ہے نامہ بر سے کہ ملے اب جواب الٹا

تری ٹھنڈی گرمیوں نے مجھے خوب ہی جلایا
تری سرد مہریوں سے ہوا دل کباب الٹا

میں دعائیں بھی اگر دوں تجھے وہ گالیاں سنائیں
جو سوال لاکھ سیدھا تو ملے جواب الٹا

مرے خط کو چاک کر کے دیا نامہ بر کو اس نے
کہا جا ابھی کو لے جا یہی ہے جواب الٹا

تری دیکھ کر جوانی یہ مجھے بھی جوش آیا
کہ ہوا یقین مجھ کو ہوا پھر شباب الٹا

شب و روز زیر و بالا ہوا کرتا ہے ازل سے
مگر اے فلک نہ اب تک کبھی آفتاب الٹا

کہا مجھ کو جس نے جو جو اسے چپکے سن لیا ہے
کبھی بھول کر نہ میں نے دیا جواب الٹا

نہ ادا ہو قرض الفت کوئی لاکھ نقد جاں دے
یہ ہے دفتر محبت کا عجب حساب الٹا

ہمیں مست بے پئے ہم جو گھٹائیں کالی اٹھیں
نہ ملی تو لفظ بارش کو پئے شراب الٹا

وہاں ان کی لٹ پیچاں میں رقیب شانہ کش ہے
یہاں ہو رہا ہے دل کو مرے پیچ و تاب الٹا

مرے بخت واژگوں کی یہ شہیر ہے برائی
کیا کام بھی جو اچھا وہ ہوا خراب الٹا

شہ مشرقین حیدر نے شہیر جب بلایا
تو غروب ہو کے مغرب سے پھر آفتاب الٹا

۱۸ر نومبر سنہ ۱۹ء

میں تو دونوں طرح منت کش تیر یار ہوتا
وہ اٹک کے دل میں رہتا کہ جگر کے پار ہوتا

تری رحمتوں کا کس منہ سے امیدوار ہوتا — جو نہ روسیاہ یارب ہمیں سیاہ کار ہوتا

اگر اور جذبۂ دل مرا زور دار ہوتا — تو نہ اپنے گھر میں دم بھر بھی انھیں قرار ہوتا

جو ندامتِ معاصی سے نہ اشکبار ہوتا — تو شہیر میرا بیڑا بھی کبھی نہ پار ہوتا

یہ تھی مصلحت کہ ناوک رہا دل میں جو ترازو — کہ خلافِ عدل ہوتا جو جگر کے پار ہوتا

اگر آگ سے جلے کی نہ دوا بھی آگ ہوتی — تو نہ سوزِ غم بھی دل کا مرے غمگسار ہوتا

جسے رہتا رحمتِ حق سے غرورِ بے نیازی — وہ گناہ بھی نہ کرتا تو گناہگار ہوتا

نہ نصیب ہوتا سایہ کبھی وادیٔ جنوں میں — جو شجر بھی کوئی ملتا تو وہ خاردار ہوتا

نہ دہانِ زخم ہنستے نہ میں پھوٹ پھوٹ روتا — نہ جگر کا خون بہتا نہ میں اشکبار ہوتا

ہوا خوب جذبِ دل نے ترے تیر کو جو روکا — نہیں پھر نہ ہاتھ آتا جو جگر کے پار ہوتا

وہی ہاں نظر نظر تھی مرے دل سے جو گزرتی — وہی تیر تیر ہوتا جو جگر کے پار ہوتا

مرے قلبِ مضطرب کا تو مدار چرخ پر تھا — جو اسے سکون ہوتا تو اسے قرار ہوتا

مرے دل میں خارِ حسرت کی کھٹک ہی کیوں رہتی — کوئی تیر اے ستمگر جو جگر کے پار ہوتا

جو دہانِ زخمِ دل میں نہ زبان بنتا خنجر — تو نہ رازِ دستِ قاتل کبھی آشکار ہوتا

مرے اک کراہنے پر تو ہے اہتمامِ نالہ — کوئی اور اٹھتا طوفاں اگر اشکبار ہوتا

دمِ نزع ایک ہچکی سے نہ آہ ٹوٹ جاتا
جو شہیر کچھ بھی تارِ نفس استوار ہوتا

جنوری سنہ [illegible]ء

چشمِ جاناں نے مریضِ غم کو اچھا کر دیا
مرہمِ زخمِ جگر [illegible] مسیحا کر دیا

دل سے نالوں نے نکل کر فاش پردا کر دیا
خود تو تھے رسوا ہی تم نے مجھکو بھی رسوا کر دیا

رہ گئے اس محفل میں رازِ عشق افشا کر دیا
چار چشمی نے [illegible] ان آنکھوں نے رسوا کر دیا

جامِ مے منہ سے لگاتے ہی ہوئی بک بک شروع
مجھکو اے ساقی لبِ ساغر نے گویا کر دیا

یا وہ عزت تھی مری یا اب ہے یہ ذلت مری
عشق! انصاف تو کیا ہے تجھے کیا کر دیا

اُنکی آمد سن کے یوں گھر میں کیا اظہارِ شوق
کھول کر ہر در کو آغوشِ تمنا کر دیا

رات کو کیوں میرے گھر آنے کی کھا بیٹھے قسم
ہائے یہ اندھیر کیا اے ماہ سیما کر دیا

حسن بے پردہ ہوا تمہارا عشق بے پروا مرا
مل کے ان دونوں نے ہم دونوں کو رسوا کر دیا

دیکھنے ہی سے ہوس بھی دیکھنے کی بڑھ گئی
شربتِ دیدار ہی نے اور پیاسا کر دیا

ایک دل ہی تو رفیقِ راہِ غربت تھا مرا
اُس سے بھی تم نے چھڑا کر مجھکو تنہا کر دیا

جوشِ گریہ میں بھی اک آنسو نہ ٹپکا آنکھ سے
بند میرے ضبط نے کوزے میں دریا کر دیا

یہ نہ سوجھا ہے نظربازی میں خطرہ جان کا
شوقِ بے حد نے مجھے الفت میں اندھا کر دیا

ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا دعوتِ غم کے لئے
صرفِ گریہ میں نے سب خونِ تمنا کر دیا

کسطرح ٹھہرا لیا اے قاتل دلِ بیتاب کو
کون سی بوٹی تھی کشتہ جس سے پارا کر دیا

خیر دل لیجاؤ مجھ بیکس کا والی ہے خدا
دیگا وہ نعم البدل تم نے تو تنہا کر دیا

یہ شرارت تھی شبِ غم کی کہ میری نبض نے
دستِ عیسیٰ کو جلا کر دستِ موسیٰ کر دیا

[illegible]

پایا احساں اور مجھے پر بھار [illegible]   [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دل نے ترے [illegible] جو کہ نہیں دیکھا   آنکھوں سے [illegible] خون رگ جاں نہیں دیکھا

کیوں پھر مجھے [illegible] دوا نہیں دیکھا   اپنا [illegible] اقبال دوراں نہیں دیکھا

ہے جان جسے کوچۂ جاناں نہیں دیکھا   [illegible] نہیں دیکھا

رستہ نہ ملا اس کو بیابان جنوں سے   جس نے کبھی چاک گریباں نہیں دیکھا

بڑھ بڑھ کے جھپٹی خنجر بنا ہے یہ آنکھیں   اس نے کوئی غارتگر ایماں نہیں دیکھا

جس دشت میں تھا راہنما وحشت الفت   تم نے اسے اے خضر بیاباں نہیں دیکھا

ٹکڑا نہ کہیں سے بھی ملا دست جنوں کو   جب تک کہ دو چاک گریباں نہیں دیکھا

داغوں سے ہے کیا رشک چمن سینۂ وحشی   ایسا کہیں صحرا میں گلستاں نہیں دیکھا

بھولا ہوا ہے شیخ حرم اپنے حجر پر   اس نے ابھی سنگ در جاناں نہیں دیکھا

جز اس بت کافر کے شہیر آنکھوں نے اب تک
غارت گر دیں رہزن ایماں نہیں دیکھا

جنوری سنہ ۲۱ء

فراق روح و تن کیا ہے وصال یار ہو جانا   خوشی عشق کیا ہے جان سے بیزار ہو جانا

نہ پہونچے جو صدمے پہلے ناتوانی بار ہو جانا | دل بے مدعا ہو ... بار ہو جانا

خوشی سے توڑ ڈالو آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو | جو ممکن ہو تمہارے ... ہو جانا

ضروری ہے درگزر با تیردان عشق و الفت کا | ... میں ... ہو جانا

سکھا ہے تیروں کو روکے ہوئے ہے جذبۂ فطری | نہیں کچھ دل کی ... کے پار ہو جانا

کوئی پوچھے نہ پوچھے اے نگاہ واپسیں تجھ سے | مگر تو ترجمان حسرت دیدار ہو جانا

لئے دل دوڑے آتے ہیں خریداروں کا مجمع ہے | مبارک آپکو ہو یوسف بازار ہو جانا

شباب آیا تو آیا تھا مگر شوخی نہ آفت کی | وہی تلوار کیا کم تھی جو اس پر دھار ہو جانا

یہ سمجھا کر سلایا موت نے مجھکو شب فرقت | طلوع صبح محشر ہو تو تم بیدار ہو جانا

پہنچا دل تیرے پاس آیا چلے آئے عیادت کو | مبارک ہو گیا مجھکو مرا بیمار ہو جانا

اگر تم کو شہیر ایسا ہی شوق پائمالی ہے
تو اپنے کو مٹا کر خاک راہ یار ہو جانا

جولائی سنہ ۲۳ء

یہ کہاں لایا کہاں سے کھینچ مجھکو راہ کا | آگیا بت خانے میں تھا قصد بیت اللہ کا

جانتے ہیں اہل درد اے عشق رتبہ آہ کا | یعنی حرف اول و آخر ہے وہ اللہ کا

عالم غربت میں کافی ہے یہی رخت سفر | زیب تن پیراہن خاکی ہے گرد راہ کا

آسرا عمر دو روزہ کا ہے طول امل | اوڑھنا ہے سر سے تا پا چادر کوتاہ کا

قعر میں تہ تک پہنچ سکتی نہیں سطحی نظر | ہے محیط عشق میں دشوار پانا تھاہ کا

خیالِ شیخ جی ہیں عروس کب ہوں پھر کیا آئے | کہا جو الفت میں بھی ارمان جیسے بیاد کا
شناور ہے ہوتا ہم الفت سے شاید ستی کا | بندہ ہے نام ہوں طالب نہیں تنخواہ کا
ہوتا افزا ہو گیا اسے ساقی نہ پہ شکن | ساغر دیکھے کہنا تھا بسم اللہ کا
کیوں نکلیں آنکھیں بیتاب جگاتے ہیں مجھے | سونے دیں پھر نیند ابھی ہے کس کی راہ کا

موت کی تلخی بھی ہے اسکو گوارا اے شہیر
پڑ گیا چسکا جسے ذوق فنا فی اللہ کا

اعلیٰ ہے زبس مشرب رندانہ ہمارا | کیوں کاسۂ گردوں نہ ہو پیمانہ ہمارا
وحشت سے بھرا ہے دلِ دیوانہ ہمارا | آبادی سے باہر نہیں ویرانہ ہمارا
وہ دیکھ کے بجلی کی چمک کالی گھٹائیں | کہتے ہیں یہ ہے جلوۂ مستانہ ہمارا
دو واقعے ہیں مختلف اوقات کے یکساں | ایک قیس کا قصہ ہے اک افسانہ ہمارا
وہ حسن میں ہیں فرد تو ہم عشق میں یکتا | دونوں میں کہیں مثل نہ انکا نہ ہمارا
آتا ہے ترس انکو مرے حال زبوں پر | کہتے ہیں یہ بیچارہ ہے دیوانہ ہمارا
گھر آپکا جب دل ہے تو یہ دل ہی ہے معبد | کعبہ نہ ہمارا ہے نہ بت خانہ ہمارا
شب بھر نہ تھمے دیدۂ پرآب سے آنسو | تا صبح چھلکتا رہا پیمانہ ہمارا
ہے جلوۂ معشوق ازل حسن بتاں میں | آباد ابد تک رہے بت خانہ ہمارا
ساقی تنگ ظرف سے کہہ دو خم سے لائے | کوزوں سے نہیں بھرنے کا پیمانہ ہمارا
باہر حدِ کونین سے صحرائے جنوں ہے | عالم ہی جدا رکھتا ہے ویرانہ ہمارا

غزلوں میں [illegible]
[illegible] شہیر ان سے [illegible]
۱۸ نومبر [illegible]

جو عالم گیر تیرے عشق کا آزار ہو جاتا
تو یہ فرش زمیں سب بستر بیمار ہو جاتا

نہ مجھ پر شاق اگر اتنا فراق یار ہو جاتا
تو قبل از موت میں کیوں مرنے کو تیار ہو جاتا

اگر پھولوں میں آئے تھے تو چار آنسو بہا لیتے
مری بزم عزا کا بھی مآل گلزار ہو جاتا

یقیناً خاک کا ہر ذرہ تارا آنکھ کا بنتا
اگر میں پائمال حسرت دیدار ہو جاتا

جو دنیا میں نہیں ممکن تو محشر ہی سہی اچھا
کہیں پورا کبھی تو وعدۂ دیدار ہو جاتا

اجل نے مشکلیں آسان کر دیں دور فرقت کی
نہیں تو ہجر میں جینا مجھے دشوار ہو جاتا

جو وہ آتے تجلی طور کی گھر میں نظر آتی
ابھی کچھ اور ہی رنگ در و دیوار ہو جاتا

اگر دو گھونٹ مجھ کو بادۂ عرفاں کے مل جاتے
شہیر اس مستیٔ غفلت سے میں ہشیار ہو جاتا

کفر و ایماں دونوں سے تا وقت آخر کام تھا
دل میں تھی یاد بتاں لب پر خدا کا نام تھا

جس کا ٹلنا غیر ممکن جس کا سننا ناگزیر
وہ اجل کا وقت تھا وہ موت کا پیغام تھا

بے خودی میں ہوتے کیا اسم و مسمیٰ آشنا
نام سے بیگانہ میں بیگانہ مجھ سے نام تھا

لے ہی لی صبر آزماؤں سے شکیبائی کی داد
اے کمال صبر کیا کہنا یہ تیرا کام تھا

ہو گئی تھیں جمع دنیا بھر کی آخر حسرتیں
اک جہان آرزو میرا دل ناکام تھا

جوشِ طلب سے خود مخفی رہا تو ہوشیار دل — آپ ہی پیغامبر تھا آپ ہی پیغام تھا

شاد اُٹھ پیمانہ لبریز ہیں مستی بادۂ خمِ غدیر
ساقیٔ کوثر کا مرتے دم بھی لب پر نام تھا

نومبر سنہ ۳۰ء

زمزمہ سنجی کا مرغانِ چمن میں جوش تھا — صبح دم جو گل جہاں تھا وہ ہمہ تن گوش تھا

کردیا نورِ جمالِ یار کو برقِ جلال — ایک جلوہ طور کا غارت گرِ صد ہوش تھا

دنیا کاندھا کیا مرے تابوت کو وہ نازنیں — جس کو بارِ سایۂ کاکل وبالِ دوش تھا

صبحِ رخصت اُنکے جانے سے جو پہلے چلدیئے — وہ دلِ بیتاب کا صبر اور میرا جوش تھا

شبِ جوانی کی کٹی پیری میں آیا خوابِ مرگ — صبحدم گویا چراغِ زندگی خاموش تھا

گرم صحبت دونوں تھے خمخانۂ توحید میں — حسن ساقی تھا اگر تو عشق بادہ نوش تھا

چھینٹے لگتی تھی لہو خود پھوٹ کے گھائے جنوں — فصلِ گل تھی خون میں سودائیوں کے جوش تھا

خاکِ آزادی سے کرتا سیرِ صحرائے جنوں — ہر قدم پر تو بچھا دامِ فریبِ ہوش تھا

پھول زخموں کے کھلے تھے میرے اعضا پر شبیر
میں سراپا فیضِ تیغِ ناز سے گل پوش تھا



ردیف ب

سنہ ۱۳۲۰ء

چاند کیا ہوگا رخِ پر نور قاتل کا جواب
غیر ممکن ہے کہ ناقص سے ہو کامل کا جواب

وصل میں مل کر مرا دل ہے ترے دل کا جواب
آج اجڑا جھونپڑا ہے عشق منزل کا جواب

اپنے منہ پھر پا تو لیتے یہ دہانِ زخمِ دل
سن تو لیتے کچھ لبِ شمشیرِ قاتل کا جواب

سرخرو رنگِ حنا ہے دستِ قاتل چوم کر
کیوں نہ اب اپنے کو سمجھے خونِ بسمل کا جواب

خونِ ناحق کی مرے دنیا میں کیا پرسش ہوئی
اب جو محشر میں لیا جائیگا قاتل کا جواب

نوجوانی نے لگائے اور تم میں چار چاند
ہوگئے چودہ برس میں ماہِ کامل کا جواب

اپنے عاشق پر بھی معشوق کرتے ہیں ستم
حشر میں تھا کس صفائی سے یہ قاتل کا جواب

یوں تو ہر اک اپنے پہلو میں لئے پھرتا ہے دل
پھر بھی لاکھوں میں نہیں ملتے بت مرے دل کا جواب

جو تمھارا گھر ہے وہ کونین میں بے مثل ہے
تم ہو جس دل میں نہیں دنیا میں اس دل کا جواب

دیکھنا سوزِ محن سے بڑھتے بڑھتے اے شہیر
میرے دل کا آبلہ ہو جائیگا دل کا جواب

حشر میں مقتول کو سوجھا نہ قاتل کا جواب
خونِ ناحق میرا ٹھہرا سعیِ باطل کا جواب

اُن کا گھر ہی جب دل ٹھہرا تو کیا دل کا جواب
منزلِ قرآں نہیں ہے اُن کی منزل کا جواب

غمزدوں کی بدنصیبی آپ اپنی ہے مثال
پھوٹی قسمت ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل کا جواب

اک ہلال عید قرباں ہے سو وہ بھی چرخ پر
کوئی دنیا میں نہیں شمشیر قاتل کا جواب

بادہ خواری میں بھی ہے جلوہ صفائی قلب کا
صوفیو مینا سے ہے شیشہ دل کا جواب

انجمن افروزی کثرت میں ہے وحدت کی شان
اک چراغ طور ہے اس شمع محفل کا جواب

بحث کرنا حسرت ہے میں ہے اعظے فضول
جز خموشی اور کیا ہے لیسے جاہل کا جواب

وصل ہاں ترک ادب کے خوف سے دشوار ہے
ورنہ ہے آسان اُس ارشاد مشکل کا جواب

وہ اگر بجلی گراتا ہے تو یہ افلاک کو
رعد کیا ہوگا ہمارے نالۂ دل کا جواب

جل رہا ہے دل ہجوم یاس و حرماں سے شہیر
یہ بھی سوزِ غم سے ہے اُس شمع محفل کا جواب

صورت ابر بہاری روز و شب
رہتی ہے اب اشک باری روز و شب

یہ ہے اب حالت ہماری روز و شب
رہتے ہیں مصروف زاری روز و شب

بے خودِ عشق آپ میں کس وقت آئیں
جب غشی رہتی ہو طاری روز و شب

رہتی ہے چشم تصور کے حضور
کوئی صورت پیاری پیاری روز و شب

آہ و شیون کی بھی آخر کچھ ہے حد
تا کجا فریاد و زاری روز و شب

بلبلیں بھرتی ہیں آہیں دم بدم
چلتی ہے باد بہاری روز و شب

دل کو بہلاتی نہ اُن کی یاد اگر
کون کرتا غم گساری روز و شب

منتظر انکی سواری کی شہیر
رہتی ہے باد بہاری روز و شب

ردیف پ

جنوری سنہ [illegible]

دن کو بھی میرے سیہ خانہ میں کب آتی ہے دھوپ
داہنے بائیں سے کترا کر نکل جاتی ہے دھوپ

نالہ ہائے گرم سے آتشکدہ ہے گھر مرا
جب در و دیوار پر چڑھتی ہے جل جاتی ہے دھوپ

گرمیِ حسنِ جوانی سے بڑھے کیونکر نہ روپ
دوپہر کے وقت بیشک تیز ہو جاتی ہے دھوپ

دیتی ہے صحرائے بے سایہ میں دن بھر میرا ساتھ
شام کو سورج جہاں ڈوبا چلی جاتی ہے دھوپ

بیٹھنے دیتی نہیں اُس سایۂ دیوار میں
میں جہاں پہونچا کہ فوراً ہی اُتر آتی ہے دھوپ

اوس کھا کھا رات بھر ٹھنڈا جو ہو جاتا ہوں میں
دن کو صحرا کے جنوں میں خوب گرماتی ہے دھوپ

کیفِ بادہ سے نہیں اِس رخ کی بڑھتی ہے ضیا
اے شہیر آئینہ کو جس طرح چمکاتی ہے دھوپ

ردیف ت

دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء

میرے پہلو میں ہے وہ رشکِ قمر آج کی رات
جا کے غیروں میں رہے دردِ جگر آج کی رات

نیند کا وصل میں ہوگا نہ گزر آج کی رات
رت جگا آکے کریگی مرے گھر آج کی رات

کس کے گھر جائیگا وہ رشکِ قمر آج کی رات — ہائے بھٹکیگا خدا جانے کدھر آج کی رات

یہ شبِ وصل شبِ ہجر سے یارب بنجائے — روزِ فردا کی کبھی ہو نہ سحر آج کی رات

زلف کی آڑ میں دل سے اڑی شوخی نگاہ — پا گئی ڈھونڈھتی تھی جسکو نظر آج کی رات



کٹنے والی نظر آتی نہیں یہ ہجر کی شب — ہو نہیں سکتی کسی طرح بسر آج کی رات

نہ کسی سمت سے آوازِ اذاں آتی ہے — بولتا ہے نہ کہیں مرغِ سحر آج کی رات

رخصت اے زیست کہ شامِ شبِ غم آتی ہے — اپنا اس دارِ فنا سے ہے سفر آج کی رات

زندگانی کا نتیجہ ہے یہی مدتِ وصل — حاصلِ عمر ہیں یہ چار پہر آج کی رات

کیا شبِ وصل بھلا دخل حیا کا ہے شہیرؔ
کہدو جا بیٹھے پسِ پردۂ در آج کی رات

جنوری ۱۹۱۷ء

تیرے لئے غیرتِ یوسف ہیں خریدار بہت — اندنوں بڑھ گئی ہے گرمئ بازار بہت

اک دلِ زار مرا اور دلِ آزار بہت — ہائے تنہا یہ ستم کش ہے ستمگار بہت

دل ہو تو دلبری کرنے کو ہیں دلدار بہت — مال اچھا ہو تو لینے کو خریدار بہت

خانہ بربادوں کو ایوان و مکاں سے کیا کام — بے گھروں کو ہے ترا سایۂ دیوار بہت

سر سے تو کچھ نہیں سودائے محبت میں کمی — دل سلامت ہے تو مل جائینگے دلدار بہت

اٹھو کمرے میں چلیں لطف سے آرام کریں — مینہ برستا ہے یہاں آتی ہے بوچھار بہت

ٹھوکریں کھاتے ہیں اہل عشق کوئے یار ہی سے — دشت میں گھر سا [illegible] ہوا [illegible] پیٹ

آپ کی باتوں میں وہ لذت وہ مزہ آتا ہے — گفتگو خوب ہے شہیر کی گفتار [illegible] بہت

دیکھو آپ کے گھر کے ہے ہجوم عشاق — پیش دروازہ بہت ہیں [illegible] بہت

جو شہیر ان کی ادا ہے وہ کسی کی بھی نہیں
یوں تو ہونے کو ہیں دنیا میں طرحدار بہت

ردیف ٹ

خوبصورت ہے جیسا تیرا پیٹ — ایسا دیکھا نہیں کسی کا پیٹ

دیکھ کر بھوک پیاس مرتی ہے — روح پرور ہے پھر بھی ان کا پیٹ

نعمت فقر و فاقہ مستی سے — سیر ہوں میں بھرا ہے میرا پیٹ

روز پیتی ہے خون ان کی تیغ — پھر بھی بھرتا نہیں ہے اسکا پیٹ

مست ہیں انکی چشم مست سے ہم — بے پیے بھر گیا ہے اپنا پیٹ

پی کے رندوں میں شور و غل اٹھا — کیوں نہ چھلکیں بھرا ہے انکا پیٹ

اے شہیر اک غم معیشت سے
کتنا بدنام ہے بچارا پیٹ

ردیف ث

فروری سنہ ۱۸۱۸ء

اے دل امید وصل کی رکھتا ہے تو عبث — ممکن نہیں محال کی ہے آرزو عبث

حرماں نصیبوں کو ہے تمنا کی خو عبث — حسرت عبث امید عبث آرزو عبث

دل پاک ہو تو تن کی نہیں شست شو عبث — نیت نماز کی ہو تو کیوں ہو وضو عبث

بے یار سیر باغ و گل و رنگ و بو عبث — ساقی نہیں تو شیشہ و جام و سبو عبث

تدبیر اندمال جراحت فضول ہے — کرتے ہیں میرے چاک جگر کو رفو عبث

میں ماتمی ہوں حسرت مردہ کا آپ ہی — مجھکو ستا نہ اے دل پر آرزو عبث

گردن کی رگ سے بھی وہ زیادہ قریب تھے — ناحق پھرے ہم اُن کے لئے کو بکو عبث

مرقد میں مُنہ مرا سوئے میخانہ پھر گیا — لوگوں نے لاش دفن ہی کی قبلہ رو عبث

تم منہ لگو نہ واعظ و ناصح کے اے ظہیر
بے بادہ گو ہیں ان کی ہے سب گفتگو عبث

مارچ سنہ ۱۸۱۸ء

چڑھی رہتی ہے تیوری غصہ میں اے یار کیا باعث — کھنچی ہی رہتی ہے ہر دم تری تلوار کیا باعث

ترا پڑھتے ہیں کلمہ کافر و دیندار کیا باعث — نہیں ہے اب نزاع سبحہ و زنار کیا باعث

جو پھر دم سیلاں تجھے پھر یاد کرتی تھی حیا [illegible] — کہ جیسے اب [illegible] پہنچی وہی [illegible] کیا باعث

پڑا پھر [illegible] پیالا بھی بتوں کی سحر [illegible] — ہوئی شمشیر [illegible] آنسو اب کیا باعث

شہیر اس طرح سے گو قافیوں کی کچھ نہیں تنگی
ردیف اکثر مگر ہو جاتی ہے پیدا کیا باعث

ردیف ج

۲۷ر اگست سنہ ۱۹ء

سیر دریا میں آنکھیں سرگرم جب پاتی ہے موج — پیچھے پیچھے بحر سے کوسوں چلی جاتی ہے موج

دیکھکر ان کو کنار آب لہراتی ہے موج — جب چلے جاتے ہیں سر ساحل سے ٹکراتی ہے موج

گاہ دامن چشم تر پر رکھتے ہیں گاہ آستیں — جوش پہ ہے بحر گریہ موج پر آتی ہے موج

آہ و گریہ سے خس طوفانی دریا ہوں میں — رخ ہوا کا جس طرف پلٹی ہے لیجاتی ہے موج

ایک قطرہ بھی نہیں میخانہ بھر میں چھوڑتے — جبکہ دریا نوشوں کو پینے کی آجاتی ہے موج

پاؤں دھونے بیٹھتے ہیں جب کنار آب وہ — شوق پابوسی میں تا ساحل چلی آتی ہے موج

دیدۂ پر آب سے اٹھتا ہے جب طوفان اشک
آسمانوں سے شہیر اوپر گزر جاتی ہے موج

۲ر دسمبر سنہ ۱۹ء

سو طرح کے وہم مجھ بیمار کو ہوتے ہیں آج — دیکھنے والے مری صورت کے کیوں روتے ہیں آج

چونکتے ہیں کسی بھی نہیں گو شور ماتم ہے بلند — اے اجل یہ کیسی گہری نیند ہم سوتے ہیں آج
اب قیامت تک نہ ہم چھوڑینگے دامن آپ کا — ہاتھ سے ہاتھ آئی دولت کو کہیں کھوتے ہیں آج
بیج سے دل تک جانفشانی عشق کی سرسبز ہی ہیں کئی — جیت ہے کانٹے سے حق میں وہی بوتے ہیں آج
پاس اٹھا ہے جنازہ کس جوانا مرگ کا — دوستوں کی طرح دشمن تک جیسے روتے ہیں آج
کل شب فرقت اٹھائے تھے جو سر پہ آسماں — پاؤں پھیلائے وہی زیر زمیں سوتے ہیں آج
چٹکیاں لیتا ہے یہ چٹکی بجا کر پوچھنا — کیوں لگایا آپ نے دل پہلے جو روتے ہیں آج
زانوئے غم سے نہ ہم نے سر اٹھایا کوئی دم — شام ہونے آئی بیٹھے صبح سے روتے ہیں آج
شام غم آتے ہی مجھ سے کہتے ہیں میرے نصیب — نیند آئے یا نہ آئے تمکو ہم سوتے ہیں آج
حشر میں دیتے ہیں میرا ساتھ یا اس شوخ کا — دیکھنا ہے حضرت دل کس طرف ہوتے ہیں آج
اے اجل تو نے ملایا خاک میں کس کا شباب — دوست دشمن دونوں جس کی قبر پہ روتے ہیں آج

کل وہاں دار الجزا میں پائینگے حاصل تشہیر
ہم یہاں اس مزرعۂ دنیا میں جو بوتے ہیں آج

ردیف چ

۲۹ر دسمبر سنہ ۲۰ء

شہ نہ دیتے جو مری شامت تقدیر کے پیچ — پھانستے دل کو نہ اس زلف گرہ گیر کے پیچ
سلسلہ قطع مری باتوں کا کر دیتے ہیں — کاٹ دیتے ہیں وہ سب رشتۂ تقریر کے پیچ

آج مکاریوں کا شیخ کے سر ہوئے سہرا | کیوں نہ دستار پہ باندھیں ... تزویر کے پیچ
صاف کیونکر ہو وہ گتھی جو ازل سے ہو پڑی | زور تدبیر سے کھلتے نہیں تقدیر کے پیچ
رنگ تو شاب جگر دستِ حنائی نے لیا | زلفِ پیچاں سے اڑائے تری تقدیر کے پیچ
ہو کے صد چاک بھی دل شانۂ گیسو نہ بنا | پیچ ہے تقدیر سے چھٹتے نہیں تدبیر کے پیچ
ہے یہ مطلب نگہِ شوق نظر بستہ رہے | میں سمجھتا ہوں تری شوخیِ تحریر کے پیچ
موشگافی تو مصور نے بہت کی لیکن | نہ کھلے پر نہ کھلے گیسوئے تصویر کے پیچ
زلف کے بل تو مرے دودِ جگر سے نکلے | بارے قائل تو ہوئے آہ کی تاثیر کے پیچ

خطِ ظفری میں رقم نامۂ جاناں ہے شہیر
ایسے ہیں تارِ نظر سے مری تحریر کے پیچ

ردیف ح

۱۴ دسمبر سنہ ۲۰ء

یاد ساقی میں بھر آیا دل جو مینا کی طرح | چھلکے آنسو آنکھوں کے سامنے صہبا کی طرح
ضبطِ گریہ میں بھر آیا دل جو مینا کی طرح | پی گیا میں آنسوؤں کو اپنے صہبا کی طرح
میری ہستی بھی ہے اسمِ بے مسما کی طرح | بس برائے نام ہوں ہونے کو عنقا کی طرح
پڑ کے اس کوچہ میں صرف پائمالی ہو گیا | مٹتے مٹتے مٹ گیا نقشِ کفِ پا کی طرح
وائے ناکامی کہ جب آتے بھی ہیں وہ خواب میں | آنکھیں کھل جاتی ہیں آغوشِ تمنا کی طرح

ترکِ یار و مے دو روزہ زندگی پر کیا کریں
ہم کو کچھ بھاتا نہیں خضر و مسیحا کی طرح

ہے حرارت سے رگِ برقِ تجلی میری نبض
دستِ عیسیٰ ہو نہ جائے دستِ موسیٰ کی طرح

ہر جگہ ہر گھر میں جلوہ ہے تمہارے حسن کا
عام فیضِ یار کا ہے مہرِ عالم آرا کی طرح

شاعرانِ ہند میں یہ غیر ممکن ہے شہیر
سر برآوردہ ہو کوئی میر و سودا کی طرح

۱۵ر دسمبر ۲۰ء

دیکھنے میں ہے مئے انگور پانی کی طرح
ہے اثر میں لیکن آبِ زندگانی کی طرح

بے وفا ہے زندگانی بھی جوانی کی طرح
جان لو عمرِ رواں کو بہتے پانی کی طرح

نبض چلتے چلتے سانسیں آتے آتے رک گئیں
آگیا قاتل جو مرگِ ناگہانی کی طرح

کون اس عالم میں مجھ سا رندِ عالم سوز ہے
جو مئے دو آتشہ پیتا ہو پانی کی طرح

موت کی تلخی بھی ہے اے عشق مجھ کو خوشگوار
ہے مزہ مرنے میں لطفِ زندگانی کی طرح

جھوٹا قصہ جانتے ہیں سرگزشتِ عشق کو
داستانِ غم وہ سنتے ہیں کہانی کی طرح

ساتھ دیتی ہے ہمیشہ تا دمِ آخر یہی
بے وفا پیری نہیں ہوتی جوانی کی طرح

پیرِ میکش کی کرامت آتشِ سیال ہے
آگ شیشوں میں بھری رہتی ہے پانی کی طرح

ایک خاموشی میں ہیں سو معنیِ حسنِ بیاں
اب زباں دانی مری ہے بے زبانی کی طرح

کاٹ لیں گے رنج کے دن ہم خوشی سے اے شہیر
راہ دل میں غم کو دیں گے شادمانی کی طرح

[illegible]

بار الفت کا اٹھانا ہوا بھاری اصلاح — ہو گئی تیرے سخن [illegible] اصلاح

مدتوں مشق سخن میں رہی جاری اصلاح — اے شہیر اس سے ہوئی اور [illegible]

اب نہ بچپن کی وہ شوخی ہے نہ البیلا پن — ہو گئی حسنِ تعلق سے تمہاری اصلاح

بن گئے اک نظرِ لطف سے سب کام مرے — ہو گئی چشمِ عنایت سے مری ساری اصلاح

محنت و سعی سے بگڑی ہوئی قسمت نہ بنی — بازی کوشش و تدبیر میں ہاری اصلاح

ہوتی یوں خود بخود ہی کی نہ [illegible] چال — تجھ سے لیتے نہ اگر نوری و ناری اصلاح

شعر پر حسن کلام اور بھی بڑھتا تھا شہیر
دیتے تھے حضرت استاد وہ پیاری اصلاح

ردیف خ

ہوں کبھی غیر تنا پہ دل سے بھی دست یار سرخ — کیا ضرورت ہے کہ مہندی سے بھی ہوں ہر بار سرخ

ہے شہیدانِ وفا کے خون کا فیضان یہ رنگ — رہتی ہے قاتل کی ہر دم تیغ جوہر دار سرخ

غیر کے ساتھ آپ کیوں آئے عیادت کے لئے — ہو گیا غیرت سے رنگِ چہرۂ بیمار سرخ

دخترِ رز نے جامۂ تقویٰ گلابی کر دیا — زیب سر ہے حضرت زاہد کے اب دستار سرخ

وہ عیادت کے لئے آئے بحالی آ گئی — زرد تھا یا اب ہے رنگِ چہرۂ بیمار سرخ

آستیں دیکھو دامانِ قاتل اور تو — ایک میرے خون سے چاروں ہوئے تلوار سرخ

کیا ہو گا ایک آہ پہ قطرہ نہیں چلا یہاں شہیر
بچھ پہ کیوں لگا نہیں ہو کر سب سے ڈار سرخ

ردیف د

کانپتی خوف سے قاتل کے ہے تھر تھر فریاد
منہ سے بھی ہائے نکلتی نہیں تو ڈر ڈر فریاد

حیرت کر تیغ جفا نکرا ہے دل مضطر فریاد
کہیں بیچین نہوں وہ تری ستمگر فریاد

کرتے ہیں آٹھ پہر عاشق مضطر فریاد
رات بھر نالہ و شیون ہے تو دن بھر فریاد

آہ مظلوم کی پرواز ہے تا عرش بریں
کون کہتا ہے کہ ہے طائر بے پر فریاد

حشر ہے آج تو کر دے مرا انکا انصاف
بس یہی تجھ سے ہے اے داور محشر فریاد

نالش صیاد اڑا دیتے ہیں مرغان قفس
جب یکبارگی سب کرتے ہیں ملکر فریاد

آئینہ چوٹ حسینوں کی نظر کی کھا کر
کیا عجب جا کے کرے پیش سکندر فریاد

جوش گریہ ہے دم نالہ و شیون ہے شہیر
چشم پرآب کو کر دیگی سمندر فریاد

ردیف ڈ

حسن و جمال پر ہے عبث اس قدر گھمنڈ
دو دن کی چاندنی ہے یہ اے سیمبر گھمنڈ

کیوں آمد شباب سے ہے اس قدر گھمنڈ
بے جا ہے ایک رات کے مہمان پر گھمنڈ

وہ بے وفا نکل گیا سینہ کو توڑ کر | جس تیرِ ناز پر تھا مجھے اے جگر گھمنڈ
ہے زاہدوں کو زہد کا اپنے اگر غرور | ہم رندوں کو بھی ہے رحمتِ غفار پر گھمنڈ
ہر دل عزیز عشوہ و انداز و ناز ہیں | ہر بات دل پسند ہے تیری مگر گھمنڈ
دعوائے بے مثالی و یکتائی مٹ گیا | جاتا رہا سب آئینہ کو دیکھ کر گھمنڈ
زیبا نہیں ہے چاہنے والوں سے یہ غرور | جو تجھکو پیار کرتے ہیں ان سے مگر گھمنڈ

دیکھی نہیں تجلی داغ دل شہیر
تجھکو ابھی ہے اپنے رشکِ قمر گھمنڈ

ردیف ذ

کھوئے کیا درد لا دوا تعویذ | نہ پیمبر نہ ہے خدا تعویذ
پڑھ کے وہ میری قبر کا تعویذ | بولے اب نفع دے گا کیا تعویذ
جھاڑ پھونک اور ایسی بیماری | دردِ دل اور یہ دعا تعویذ
ہے جنوں اک پڑھا لکھا جن آپ | اثر اُس پہ کرے گا کیا تعویذ
مرضِ عشق کا علاج نہیں | بے اثر ہے۔ دوا۔ دعا تعویذ
مرنے والے کے نام کا خط تھا | اُس کے بازو سے جب کھلا تعویذ

جو بندھا تھا شہیر بازو پہ
لاغری سے وہ گر گیا تعویذ

[illegible]

اب اس میں خوشی کیا نہیں ویرانہ سمجھکر — تم رہتے تھے جس دل میں پریخانہ سمجھکر

پتھر جو لگاتا ہے وہ دیوانہ سمجھکر — ہنس دیتا ہوں میں شوخی طفلانہ سمجھکر

ہوشیار رہ عشق و محبت ہے خطرناک — رکھ اس میں قدم اے دل دیوانہ سمجھکر

ہم قصۂ غم اپنا جو کہنے لگے شب کو — وہ سننے کو سنتے رہے افسانہ سمجھکر

مستی میں پڑی آنکھ جو مینائے فلک پر — بھر آیا دل الٹا ہوا پیمانہ سمجھکر

دھوکا ہوا اے شیخ چلے آئے حرم میں — پہلے کی طرح ہم اُسے بت خانہ سمجھکر

گرتے بھی ہیں نشہ میں تو ساقی کے قدم پر — ہوتی بھی ہے تو لغزش مستانہ سمجھکر

یہ عشق مجازی بھی حقیقت کا ہے زینہ — رکھ پاؤں زرا اے دلِ دیوانہ سمجھکر

گردوں پہ شب ہجر جو ظاہر ہوا مہتاب — ہم دوڑ پڑے جلوۂ جانانہ سمجھکر

دل کس لئے اُس دشمن ایماں سے لگایا
کرتا تھا شہیر آپ کو یارانہ سمجھکر

صدائے طوطی شکر شکن منقار کے اندر — بنا دیتی ہے شیریں ہر سخن منقار کے اندر

ہزاروں طرح کے آہنگ ہیں صورت عنادل میں — ہزاروں رکھتے ہیں گویا دہن منقار کے اندر

تعجب کیا اگر بلبل لئے ہے چونچ میں غنچہ — اگر بس ہو تو رکھ لے یہ چمن منقار کے اندر

اسیران قفس کے نالے ہیں خانہ بدوشوں میں — گئے وہ دن کہ انکا تھا وطن منقار کے اندر

رہی ہر رنگ گل آخر بلبل ہر شاخ کے سنگی الم آ سکے — جسے شوکت تھی وہ بہر گلشن منقار کے اندر

پھر اک چتی ہے بلبل دم چونا ان گلستاں کو — جو حسے رتی ہے یہ انجمن منقار کے اندر

بہار آئی ہے ہر گل غنچہ بلبل سے کہتا ہے — نوائے ساز عشرت آج ہے منقار کے اندر

شہیر اس طرح میں یہ گہر رنگ مشکل نہیں تجھکو
نہیں قاصر مری مشق سخن منقار کے اندر

بن باس ہوئے جوگ لیا یار کی خاطر — دکھ سہنے کو سکھ چین تجا یار کی خاطر

سہتا ہوں سبھی جور و جفا یار کی خاطر — ہر طرح ہوں راضی برضا یار کی خاطر

دل دیدیا میں نے اگر انکو تو عجب کیا — کرتے ہیں سبھی شاہ و گدا یار کی خاطر

وہ منزل دشوار ہو یا وادی پر خار — طے کرتا ہوں میں آبلہ پا یار کی خاطر

فرماتے ہیں وہ شکوہ بیداد و جفا پر — کرتے ہیں سبھی اہل وفا یار کی خاطر

ہر ایک سے دنیا میں کیا ترک تعلق — اپنوں سے بھی بیگانہ ہوا یار کی خاطر

مرنا بھی پئے دوست حیات ابدی ہے — ہر زہر فنا آب بقا یار کی خاطر

جینا پڑا مر مر کے محبت میں شہیر آہ
جو کچھ نہ ہوا تھا وہ ہوا یار کی خاطر

۹ر ستمبر [illegible]

نہ پڑے صبر دل عاشق گریاں کیونکر — منہ نہ کالا ہو ترا اے شب ہجراں کیونکر

جوش وحشت میں چھپاؤں تن عریاں کیونکر — جھاڑ دوں جسم سے میں گرد بیاباں کیونکر

ایضاً

ہائے حاصل ہو شفاعت ہی بہ آساں کیونکر
بخشی اقرار ہو انکار ہے تمہیں ہاں کیونکر

دین و دنیا میں اسی کا تو سہارا ہے شیخ
چھوڑ دوں دل سے آپ کا گوشۂ داماں کیونکر

کہتے ہیں قصۂ بلقیس و سلیماں سن کر
بس میں آ جاتی ہیں انسان کے پریاں کیونکر

سخت جانی ہے ادھر اور نزاکت ہے اُدھر
حلق پہ پھیرے چلے خنجر براں کیونکر

کس طرح منہ نہ ترا اے بت کافر چوموں
ہوں مسلمان نہ لوں بوسۂ قرآں کیونکر

داغ بن بن کے ابھرنے لگے جب درد جگر
دل میں ناموس محبت سے ہے پنہاں کیونکر

ان قوافی میں ہوں میں خوگر ترکیب شہیر
ترک ہو عادت تقلید فصیحاں کیونکر

۱۶- فروری [illegible]ء

رہا عشق آپ کا پیدا و پنہاں با اثر ہو کر
نمایاں داغ دل ہو کر نہاں درد جگر ہو کر

دم نزع آنکھوں میں حسن ازل ہے جلوہ گر ہو کر
نگاہ واپسیں پڑتی ہے پھر پہلی نظر ہو کر

عبث فکر آشیانے کی۔ ہوس پرواز کی بے جا
قفس ہی میں ہمیں رہنا ہے جب بے بال و پر ہو کر

جھلکتا ہے سیہ کاری میں رنگ آمرزگاری کا
بنا ہے ابر رحمت میرا دامن مے سے تر ہو کر

نہ کیوں سرگشتگی میں کیف دور جام حاصل ہو
کف بادہ بھرا ہے میرے سر میں مغز سر ہو کر

اثر آزار الفت کا چھپائے چھپ نہیں سکتا
کہ رنگ چہرہ اڑ جاتا ہے پہلے ہی خبر ہو کر

کروں فریاد کس سے داد یا رب کون دیتا ہے
دعائیں بھی تو رہ جاتی ہیں آہ بے اثر ہو کر

چلیں گے حشر میں تیر ملامت جب گناہوں سے
تری رحمت بچا لے گی مجھے سینہ سپر ہو کر

[illegible] / [illegible]

[illegible] / [illegible]

[illegible] تیرے ہاتھوں سے اٹھائے جاؤ [illegible] / حیات تازہ پھر مجھ کو ملی [illegible]

شب غم کاٹ دی ہے مر مر کر اب سے منفق ہے / کہیں ایسا نہ ہو پھر شام ہو جائے سحر ہو کر

چراغ محفل عشرت تھا جو دل نوجوانی میں
شہیر اب بجھ گیا پیری میں وہ شمع سحر ہو کر

ردیف ڑ

صورت کا ہے بناؤ تری زلف کا بگاڑ / کیوں ہو نظر فریب نہ یہ خوش نما بگاڑ

کیوں ہو نہ خوش اداؤں میں بگڑی ادا کی قدر / اُن کا نہ سو بناؤ نہ اک آپ کا بگاڑ

تقدیر میری آگئی ہے تیرے ہاتھ میں / جس طرح جی میں آئے ترے تو بنا بگاڑ

کب تک نبھیگی اُس متلون مزاج سے / کے روز بننے دیگا یہ ہر روز کا بگاڑ

دل میں کہاں سے آگیا خانہ خراب عاشق / کس نے کہا تھا اس سے کہ آ گھر مرا بگاڑ

ہر روز کی لڑائی سے تو مل گئی نجات / اُس جنگجو کے میل سے اچھا رہا بگاڑ

کوچہ میں تیرے میں ہوں پڑا مثل نقش پا / ہے تجھکو اختیار بنا مجھ کو یا بگاڑ

آنکھوں سے آنکھیں لڑ گئیں تو صلح ہو گئی / پھر اُن سے میل ہو گیا جاتا رہا بگاڑ

تم نے بگاڑی اپنی بنی بات آپ ہی / بے فائدہ شہیر سے کیوں کر لیا بگاڑ

ردیف ز

۱۲ جولائی سنہ

نالش سے جو بات تھی ظاہر ہوئی سب دل کا راز
غیر ممکن ہے چھپانا خنجر قاتل کا راز

حل ہوا آن کا چھپ کے سینا ہو گیا ہے دل کا راز
لیلیٰ محمل نشیں ہے آپ ہی محمل کا راز

بھاگ گئے دیتے وہ نزدیک جس کی تھی تلاش
کھل گیا پائے طلب پر دوری منزل کا راز

قید ہستی سے رہا ہو کر دبے مرقد میں بند
یہ ہے اے خواب اجل زندان آب و گل کا راز

مر گیا لیکن نہ ان سے کر سکا اظہار شوق
رہ گیا افسوس میرے دل میں میرے دل کا راز

گوشہ ہائے دیدۂ پرخوں میں چمکے لخت دل
خود لب ساحل سے ظاہر ہو گیا ساحل کا راز

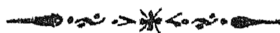
سوز داغ عشق میں ہے روشنی بزم حسن
شمع محفل میں چھپا ہے گرمی محفل کا راز

توڑتا ہے شیشۂ دل میرے آگے محتسب
جانتا ہے سنگ دل وجہ شکست دل کا راز

دیکھتے ہیں سب مگر یارائے گویائی نہیں
ہو گیا ہے خواب گونگے کا بت غافل کا راز

تیرے میدان محشر کا ہے طولانی سفر
پہلی منزل میں کھلا یہ دوسری منزل کا راز

بے کھلی سوکھی کلی دیکھی ہے جب سے اے شمیم
جانتا ہے وہ مری افسردگی دل کا راز



ردیف س

۱۲- جولائی ۱۹۲۱ء

کوئی نہیں ہے کشتۂ بے دل کے آس پاس
پھرتی ہے بیکسی ترے بسمل کے آس پاس

رہتی تھیں پہلے حسرتیں جو دل کے آس پاس
دم توڑتی ہیں اب وہی بسمل کے آس پاس

لیلی کو کچھ پیام سنانا ہے قیس کا
باد صبا ہے پردۂ محمل کے آس پاس

ہے حکم یاس شادی امید کے لئے
ہرگز پھٹکنے پائے نہ یہ دل کے آس پاس

پھندے لگاتے پھرتے ہیں صیاد باغ میں
شاخوں پہ آشیان عنادل کے آس پاس

ارمانوں کا ہے وصل میں تانتا بندھا ہوا
کچھ دور دور رہیں ابھی کچھ دل کے آس پاس

عشاق قتل ہو گئے سب قتل گاہ میں
باقی نہیں رہا کوئی قاتل کے آس پاس

کیا بے حجاب قیس سے لیلی ہو نجد میں
پردے پڑے ہیں شرم کے محمل کے آس پاس

ہے یاد چشم یار میں مژگاں کی بھی خلش
کچھ خار بھی ہیں آبلۂ دل کے آس پاس

یوں میرے گرد کوہکن و قیس ہیں شہیر
جیسے مرید۔ مرشد کامل کے آس پاس

ردیف ش

رہتی ہے روز بانی بے داد کی تلاش
ہر دن ہے اک نئے ستم ایجاد کی تلاش

اس خارزارِ دہر میں پھنستے نہ آکے ہم
ہوتی اگر نہ گلشنِ ایجاد کی تلاش

اے طائرانِ باغ خبردار۔ ہوشیار
گلچین و باغباں کو ہے صیاد کی تلاش

پردے سے جاکے ڈھونڈ نکالا حضور کو
دیکھی نہ آپ نے مری فریاد کی تلاش

جو نقش خود ہو ایک تصویر کھینچ لے
پھر اُس کو کیوں ہو مانی و بہزاد کی تلاش

اے باغبان شوق اسیری ہے اس قدر
خود بلبلوں کو رہتی ہے صیاد کی تلاش

لذت رُبائے جورِ حسیناں ہیں ہم شمیمؔ
رہتی ہے روز اک ستم ایجاد کی تلاش

ردیف ص

چاہے وہ بھلی ہو یا بُری حرص
بیشک ہے مجھے شراب کی حرص

خالی جب تک نہ خم کے خم ہوں
میری بھرتی نہیں کبھی حرص

کھو دیتی ہے سب وقارِ انسان
ذلت ہے بہر آدمی حرص

یوں بھی نہ تھی کچھ شباب میں کم
پیری میں تو اور بڑھ گئی حرص

جامِ مے پر ٹپکتی ہے رال
ہے شیخ کی سخت لالچی حرص

قسمت پر اپنی جو ہے قانع
اس کو ہوتی نہیں کوئی حرص

جینے کی خاک اب ہوس ہے
تا عہد شباب ہو چکی حرص

اللہ پہ اپنا ہے توکل
قانع ہوں مجھے نہیں کوئی حرص

جس سے رہے نام نیک قائم   حصوں میں وہی ہے کام کی حرص
دنیا کی ہوس شہیر تا چند
کب تک یہ رہے گی آپ کی حرص

ردیف ض

لائق بوسہ ہیں اے جان تمہارے عارض   پیار کرنے ہی کے قابل ہیں یہ پیارے عارض
دعویٰ حسن ہیں زیبا ہے۔ اگر اپنے پر   صدقے سورج کو کرے چاند کو وارے عارض
آتش شوق کو بھڑکاتی ہے رخسار کی یاد   گرم آہوں میں دکھاتے ہیں شرارے عارض
شوق دیدِ رخ جاناں میں تھیں بیتاب آنکھیں   گھونگھٹ اٹھا تو نظر آ گئے بارے عارض
باتوں میں نے اڑالے ہیں مزے بوسوں کے   شوخیاں مجھ سے بہت اب نہ بگھارے عارض
سر چڑھے منہ لگے اتنا جو نہ گیسو ہوتے   کس طرح چومتے جھک جھک کے تمہارے عارض
جاں بلب حسرت بوسہ میں نہ ہوتا میں شہیر
ہیچ ہا من نہ اگر داشتہ کائے عارض

ردیف ط

نہیں اس بانیِ جفا کا خط   میری تقدیر کا ہے لکھا خط
ہائے از بس تھا یاس افزا خط   پڑھ سکا میں نہ ان کا پورا خط

جی اُٹھا میں جو اُن کا آیا خط
میرے حق میں ہوا مسیحا خط

گو پتہ میرا تھا لفافہ پر
غیر کے نام کا مگر تھا خط

دستِ قدرت کی دیکھ لی تحریر
عارضِ یار پر جو آیا خط

لکھتا کیا حال بیقراری دل
دامنِ برق بن نہ جاتا خط

نگہِ شوق بے قرار ہے کیوں
ٹھہرے پڑھنے دے مجھکو انکا خط

یہ بھی لکھا نصیبوں کا ہے شہیر
کبھی آتا نہیں ہے ان کا خط

ردیف ظ

آتا اگر بغل میں بوتل دبائے واعظ
مستی میں جھوم لیتے ہم بڑھ کے پائے واعظ

بندے ہیں سب اُسی کی امیدوار رحمت
رندوں کا بھی وہی ہے جو ہے خدائے واعظ

آیا ہے پی کے شاید۔ لکنت زبان میں ہے
چلنے میں بھی نہیں ہیں قابو میں پائے واعظ

نار سقر سے آیا ہے رندوں کو ڈرانے
سنتا ہے کون اسکی دوزخ میں جائے واعظ

ہم کوئے یار ہی میں جنت سے بڑھکے خوش ہیں
یعنی رہے مبارک جنت برائے واعظ

اوروں ہی کو دکھائے یہ سبز باغ اپنا
سچا جو ہو تو جنت ہم کو دکھائے واعظ

پیرِ مغاں کی سنتے ہیں اے شہیر ہم سب
میخانہ میں یہی ہے ناصح بجائے واعظ

ردیف ع

ظاہر ہے دودِ شمع سے رنگِ فغان شمع
اظہار سوز کے لئے تو ہے زبان شمع

پروانوں کا بیان ہے گویا بیان شمع
جو اُن کی داستان وہی داستان شمع

اے اہل بزم ہے دمِ آخر۔ قریبِ صبح
لَو جھلملا رہی ہے نکلتی ہے جان شمع

ممکن نہیں جو میرے سیہ خانہ میں جلے
سو بار لاکے کرلے کوئی امتحان شمع

دل میں مدام داغ محبت کی ہے جگہ
فانوس رات بھر کے لئے ہے مکان شمع

دل تفتگانِ عشق کے مرنے میں دیر کیا
اک جھونکے میں ہوا کے نکلتی ہے جان شمع

تارِ نفس بغیر فروغ حیات کیا
کیونکر جلے اگر نہ ہو رشتہ میان شمع

جس میں ہو سوزِ عشق وہ قصہ ہمیں سناؤ
پروانوں کا فسانہ ہو یا داستان شمع

بجھ بجھ گئی ہے اُس رخ روشن کے سامنے
جب جب کیا ہے محفلوں میں امتحان شمع

کیوں نورِ طبع سے نہو زندہ دلی شہیر
روشن یہ ہے کہ روشنی ہوتی ہے جانِ شمع

ردیف غ

ہوگئے سب داغ دل کے عشق ترسا میں چراغ
ہائے یہ اندھیر کعبہ کا کلیسا میں چراغ

کیا کرینگے ہوں لیکر جوش سودا میں چراغ
جلتے ہیں داغ جنوں کے آپ صحرا میں چراغ

ہے رخ روشن کا جلوہ دیدۂ پرآب میں
سیر دیکھو اے خضر جلتا ہے دریا میں چراغ

بے سوادوں کی نظر میں ہیچ ہے روشن سواد
ہے نہ ہونے کے برابر چشم اعمی میں چراغ

رات کو جلوہ جو دیکھا آب آتش رنگ کا
مست ہم سمجھے کہ ہے فانوس مینا میں چراغ

داغہائے عشق کا ہے دل میں عالم ہی نیا
اسطرح کے کب نظر آتے ہیں دنیا میں چراغ

آئے وہ امیدیں بر آئیں دل پر داغ کی
گھی کے جلتے ہیں مری بزم تمنا میں چراغ

داغ عشق اے قیس ہو صرف نیاز زندگی
رکھدے محراب خم ابروئے لیلا میں چراغ

قبر حسرت ہائے مردہ پر پڑے ہیں سب بجھے
جتنے جلتے تھے شبستان تمنا میں چراغ

نور ایماں کی ضیا محدود دنیا تک نہیں
رہنما ہوگا یہ بن کر راہ عقبیٰ میں چراغ

نور عرفاں سے منور ہے مرا دل اے شہیر
عارف حق دیکھ لیں داغ سویدا میں چراغ

ردیف ف

عین جوہر ہے مرا ابروئے خمدار کا وصف
ہوں سپاہی تو نہ کیونکر تلوار کا وصف

کردیا شرم گنہ کو جو گنہ گار کا وصف
بخدا یہ بھی ہے اک رحمت غفار کا وصف

خوگر لذت آزار ہیں مداح ستم
کوئی ہم سے سنے اُس شوخ جفاکار کا وصف

سایہ میں لیکے دکھا دیتی ہے طوبیٰ کی بہار
ایک ادنیٰ سا ہے یہ آپکی دیوار کا وصف

کہدیا باغ جناں ہی تو کیا کون کمال
یہ تو کچھ بھی نہ ہوا کوچۂ دلدار کا وصف

راہِ جاناں میں اذیت بھی بڑی راحت ہے　　پاؤں کے چھالوں کو ہے نوکِ زبانِ خار کا وصف

ہوں بالِ ہُما دولت کی طمع ہم کو شہیر
پھر غرض کیا جو کریں منعم و زردار کا وصف

ردیف ق

پاتی شرف نہ کعبہ کا دولت سرائے عشق　　قائم جو میرے دل میں نہ ہوتی بنائے عشق

اے دل ہے آزمائش عشق ابتدائے عشق　　کر صبر آزمائے جو صبر آزمائے عشق

جس پر کرم ہو اوج اُسی کا بڑھائے عشق　　قیس اک سڑی تھا کر دیا جسکو خدائے عشق

قائم ہوئی ہے دل میں کچھ اسطرح جائے عشق　　دل جائے بھی تو دل کو ہمارے نہ جائے عشق

دونوں میں ربط لازم و ملزوم ازل سے ہے　　ہے عشق دل کے واسطے دل ہے برائے عشق

دنیا و دیں کسی سے علاقہ نہیں ہمیں　　کچھ ماسوا سے کام نہیں ماسوائے عشق

گویا ہوئی تھی قطع ازل ہی میں ناپ کر　　ٹھیک اتری میرے جسم پر ایسی قبائے عشق

بستر سے اٹھنے کی بھی سکت اب نہیں رہی　　دنیا سے کسطرح مجھے دیکھوں اُٹھائے عشق

خالی رہے نہ داغِ محبت سے دل کبھی　　یارب نہ بے چراغ ہو دولت سرائے عشق

سب باتیں یاد ہیں ہمیں عہدِ الست کی　　گوشِ آشنا ہے روزِ ازل سے صدائے عشق

اُتنا دے بارِ غم مجھے جتنا اٹھا سکوں　　جتنا میں دب سکوں مجھے اتنا دبائے عشق

سب سے بڑا یہ کو سنا انکا ہے اے شہیر　　یا دافع بلا اسے کر مبتلائے عشق

ردیف ک

پہونچوں اے ضعف جنوں کیا وادی کہسار تک
نوک کی لینے لگے ہیں آبلوں سے خار تک

سچ ہے وقت بیکسی ہر ایک کرتا ہے گریز
بھاگتا ہے مجھ سے انکا سایۂ دیوار تک

دونوں عالم ہے مرقع ان کے حسن پاک کا
جلوۂ اقدس سے ہیں معمور نور و نار تک

بندھ گئے ہیں پر قفس میں رہتے رہتے اسطرح
ہوں رہا بھی تو نہ اڑکر جا سکوں گلزار تک

دھوپ کی تکلیف سے اے ضعف پا جاتے نجات
کاش چل سکتے کسی کے سایۂ دیوار تک

دیدۂ پرآب سے آنسو گزر کر بہہ گئے
جوش غم لڑکوں کو پہونچا آیا دریا بار تک

بخت خفتہ سو رہا ہے نیند کیا آئے شمیم
ہو چکا سونا ہمارا طالع بیدار تک

ردیف گ

مہندی ہزار دست حسیناں میں لائے رنگ
مشکل ہے میرے خون تمنا کا پائے رنگ

کیا رنگ آگے اس رخ روشن کے لائے رنگ
جس میں کہ نور حسن بھرا ہو بجائے رنگ

پوچھی نہ بات چہرۂ بیمار عشق نے
غیرت جو ہو تو منہ نہ کسی کو دکھائے رنگ

ہاں دیکھنے ہی بھر کے حسینان بیوفا
ان پھولوں میں ذرا نہیں خوشبو سوائے رنگ

کچھ اور ہی ہے جلوۂ بے رنگ کی بہار
کیا اسکے آگے رنگ کچھ اپنا جمائے رنگ

کلیاں چٹک رہی ہیں گُل نوبہار کی　　سنتے ہیں طائران گلستاں صدائے رنگ

بیشک بقولِ حضرت استاد اے شہیر
پھیکا اس غزل میں جی نہ ہوا آشنائے رنگ

۲۳ / جولائی سنہ ۱۲ء

نظر آتا نہیں کچھ صبح کے آثار کا رنگ　　ظلمتِ گور سے بدتر ہے شبِ تار کا رنگ

اُڑ گیا ضعفِ مرض سے رخِ بیمار کا رنگ　　دیدو تھوڑا سا تم اپنے گل رخسار کا رنگ

حشر میں رحمتِ داور نے جو نظریں ڈالیں　　ہوگیا سرخ وہیں روئے گنہگار کا رنگ

فصل مے آنے دو پھر رہے یہ ہمارا ذمہ　　ہو گلابی نہ اگر شیخ کی دستار کا رنگ

حلقے آنکھوں میں پڑے مردنی منہ پر چھائے　　نظر آتا نہیں اچھا ترے بیمار کا رنگ

تم دکھا دو جو زرا عارض گلگوں کی بہار　　تو بدل جائے ابھی چہرۂ بیمار کا رنگ

عرق شرم گنہ - اشک ندامت سے شہیر
صاف ہوجاتا ہے سب روئے سیہ کار کا رنگ

ردیف ل

ملے کیا تجھ سے اب او بیوفا دل　　تری بے مہریوں سے ہٹ گیا دل

نہیں تجھ سے عزیز اے دلربا دل　　ارے تو شوق سے لیجا مرا دل

نہیں ہے جب تمھارے کام ہی کا — تو لاؤ پھیر دو مجھ کو مرا دل

تری باتوں سے اے سفاک قاتل — کلیجہ ہو گیا شق پھٹ گیا دل

تمھیں تو بیٹھے تھے پہلو میں میرے — تمھیں نے لے لیا بیشک مرا دل

مرے سر مارا اقسام ازل نے — پڑا پایا جو اک ٹوٹا ہوا دل

ذرا کر یاد اے وعدہ فراموش — لیا تھا تو نے کیا کہہ کر مرا دل

قطعہ

اگر کہنا نہ مانے کون بس ہے — دل است ایں جنگ نتواں کردہ با دل

محبت میں نہیں ہے کوئی تخصیص — شود با ہر کہ خواہد آشنا دل

رہائی زلف سے ہے غیر ممکن — کہاں پھر چھوٹتا ہے جب پھنسا دل

کسی کا ہو انھیں لینے سے مطلب — نہیں پروا بھلا ہو یا برا دل

جہاں دیکھا کسی کو دل گرفتہ — وہاں اپنا مجھے یاد آ گیا دل

خروش بلبلاں ہے جوش گل تک — خزاں میں پھر کہاں شور غنا دل

نہیں دیتے نہ دیں داد وفا بت

شہیر اللہ تو اپنا ہے ھا دل

۲۷/ جولائی سنہ ۲۱ء

سننا جو ہو تو ہم سے سنو داستان دل — افسانہ گو کریگا بھلا کیا بیان دل

جو نا شنو ہو اُس سے کریں کیا بیان دل — سامع کوئی ملے تو کہیں داستان دل

جل جل کے راکھ ہو نہ مگر مت سے اُف کرے | اے سوزِ عشق سہل نہیں امتحانِ دل
ناوک اگر نکالا تو پھر زندگی نہیں | پیکانِ تیرِ یار سے لپٹی ہے جانِ دل
خلقت تھی ناتمام کہ تھا صرف خون و گوشت | پیوست ہو کے تیر بنا استخوانِ دل
صبر و قرار و تاب و تواں کا پتہ نہیں | اے دردِ عشق کیا ہوئے سب دوستانِ دل
لے عشق میں جو چشمِ حقیقت نگر سے کام | دیکھے نئی زمین نیا آسمانِ دل
بے چارہ کس طرح تمہیں سمجھائے کیا کرے | مشکل یہ ہے سمجھتے نہیں تم زبانِ دل

میں باخبر ہوں یا مرا اللہ اے شہیر
کیا جانے تیسرا کوئی رازِ نہانِ دل

پامالِ عشق ہو کے مٹے یہ ہے شانِ دل | ہو جائے بے نشاں یہی ہے نشانِ دل
دل بے زبان ہے وہ کریگا بیان کیا | میری زبان چاہیے بہرِ بیانِ دل
سینے کو چاک کیجیے خنجر اُٹھائیے | لینا ہی آپ کو ہے اگر امتحانِ دل
پردہ سے کیوں نکالتا ناموسِ عشق کو | کہتا کسی سے کس لیے دردِ نہانِ دل
ہو ہو کے خون بہہ گیا اشکِ رواں کے ساتھ | اچھا ہوا کہ مٹ گیا نام و نشانِ دل
داغِ جگر سے ہوتی ہے ظاہر بہارِ عشق | زردی رُخ سے کھلتا ہے رنگِ خزانِ دل
واقف ہوں اُس سے جو رگِ گردن کے ہے قریب | مجھ سے چھپا نہیں ہے مکینِ مکانِ دل
نکلا ہے نزع میں ابھی ہمراہ روح کے | یارب وہ کون تھا جو چھپا تھا میانِ دل
اُس سے لگائے دل جو ہو رتبہ شناسِ عشق | دل دے اُسے سمجھ لے جسے قدردانِ دل

میں آپ رونے لگتا ہوں رقت کے جوش سے
پُر درد ہے شہیر زبس داستانِ دل

ہر اک بات میں تھا حجاب اول اول
نہ یوں تم تھے حاضر جواب اول اول

وفادار اغیار کا اب لقب ہے
کبھی تھا یہ میرا خطاب اول اول

ازل ہی سے کوثر کی لہروں میں ڈوبے
ہوئے غرق موج شراب اول اول

کسی شوخ کی ہائے اٹھتی جوانی
وہ اپنا بھی جوشِ شباب اول اول

خدائی میں مثل اس صنم کا نہ نکلا
جسے کر دیا انتخاب اول اول

جوانی میں رندی ضعیفی میں توبہ
ثواب آخر آخر عذاب اول اول

نیاز ابتدا کا تھا ناز ابتدا کا
سوال اول اول جواب اول اول

شہیر اب اسی شے کا چسکا پڑا ہے
ہمیں جس سے تھا اجتناب اول اول

ردیف م

جلد افاقہ غش سے کب پاتے ہیں ہم
بے خودی سے آپ کھو جاتے ہیں ہم

کچھ نہ پیتے ہیں نہ اب کھاتے ہیں ہم
ہجر ساقی میں مرے جاتے ہیں ہم

ہے یہی آب و غذا اب ہجر میں
خون دل پیتے ہیں غم کھاتے ہیں ہم

کہتی ہے رو رو یہ جان منتظر وہ نہیں آتے تو لو جاتے ہیں ہم
باندھ لیتے ہیں تصور آپ کا رات بھر یوں دل کو بہلاتے ہیں ہم
ہے گلے میں جذب الفت کی کمند یہ جدھر کھنچتی ہے کھنچ جاتے ہیں ہم

سوچ کر اعمال بد اپنے شہید
سامنے رحمت کے شرماتے ہیں ہم

۳۰ جولائی ۱۹۲۱ء

ساتھی گزشتگاں ہیں ہم مرنے والوں کے نوحہ خواں ہیں ہم
اثر پائے رفتگاں ہیں ہم جادۂ موت پر رواں ہیں ہم
مثل سایہ جدا کہاں ہیں ہم جس جگہ آپ ہیں وہاں ہیں ہم
رنگ گل ہیں اگر عیاں ہیں ہم بوئے گل ہیں اگر نہاں ہیں ہم
آپ اپنا پتہ نہیں ہم کو یہ نہیں جانتے کہاں ہیں ہم
اپنی ہستی بھی ہے عجب ہستی کہ نہیں ہونے پر بھی یاں ہیں ہم
دیکھ لیں دیکھ لیں ہمیں احباب موت آئی تو پھر کہاں ہیں ہم
اے فلک ڈر ہمارے نالوں سے پیر تو اور نوجواں ہیں ہم
آہ کیونکر کٹے گی ساری رات شام ہی سے جو نیم جاں ہیں ہم
جلوۂ یار کا یہ دعوےٰ ہے از زمیں تا بہ آسماں ہیں ہم
مرتے مرتے بھی ہے بلند نگاہ عازم سیر لامکاں ہیں ہم

قید کون و مکاں سے ہیں آزاد   کچھ نہیں ہے وہاں جہاں ہیں ہم
روز و شب کر رہے ہیں طے رہ زیست   مثل عمر رواں رواں ہیں ہم

بعد از ناسخ و منیر شہیدؔ
یادگار گزشتگاں ہیں ہم

۳ر اگست

گو ہے امید وفا اس بت خود کام سے کم   پھر بھی ہوتا ہے غلط نامہ و پیغام سے غم
ہوس بادہ ہو کیا اس دل ناکام سے کم   جانتا ہے کہ ہے مشہور جہاں جام سے جم
حیف ہے جام جہاں بیں تو بنایا بیشک   ہوا واقف نہ مگر اپنے سرانجام سے جم
چشمہ پر آب اگر خشک ہوں تو کیا ہے عجب   سوکھ جاتے نہیں کیا گردش ایام سے یم
چشم بیمار کے بیمار مرے جاتے ہیں   توڑتے جاتے ہیں سب تلخی بادام سے دم
باغباں دیکھ لے انصاف سے ہو آنکھ اگر   حسن نرگس کا ہے چشم بت خود کام سے کم

داغ رنج ہے نام اسد اللہ شہیدؔ
کیوں نہ ہو جائے ہرن ہیبت ضرغام سے کم

ردیف ن

اُن کی تصویر بھی بکنے لگی بازاروں میں   پھوٹ پڑ جائے نہ یوسف کے خریداروں میں
رنگ ہے رحم و غضب دونوں کا رخساروں میں   کبھی پھولوں میں ہے شامل کبھی انگاروں میں

کہہ رہا زاہد سے اگر رحمت حق کی ہے تلاش — ڈھونڈتے کیوں اور کہیں آ کے گنہگاروں پر

عشق ابرو میں کٹے جاتے ہیں ایام حیات — عدم آباد چلے جاتے ہیں تلواروں پر

شکر ہے لڑ گئی تقدیر ان آنکھوں کی وہاں — کہ سکندر ہے جہاں آئینہ برداروں میں

حُسن بچپن میں ہوا کھاتا تھا آزادی کی — اب جوانی سے ہے پردے کے گرفتاروں پر

طنز سے کہتے ہیں وہ تذکرۂ یوسف پر — ایسے ایسے تو بکا کرتے ہیں بازاروں پر

ابر رحمت تو ہے رندوں سے سوا تر دامن — ہو نہ کالی گھٹا بھی ہے سیہ کاروں پر

گھر کا گھر حیرتی حسن ہے اے بت تیرا — آنکھیں پتھرائی ہیں ان کی نہیں دیواروں پر

اس خلش پھوٹ سے دونوں ہوئے آخر تنہا — چھالے ہیں تلووں میں تو نوکیں نہیں اب خاروں میں

کیا کہوں داغوں میں حال دل بیتاب شہیر

جیتی مچھلی ہے دہکتے ہوئے انگاروں میں

آپ دیتے ہیں زباں اور بدل جاتے ہیں — ہار کر قول بھی کیا صاف نکل جاتے ہیں

آج جو کہتے ہیں کل اُس سے نکل جاتے ہیں — روز ہی ایک نئی چال وہ چل جاتے ہیں

ہجر جاناں میں قضا لائی ہے پیغام وصال — وہ نہ آئے ہمیں ہمراہ اجل جاتے ہیں

گو مرے کام کا میرا دل ناکام نہیں — پھر بھی کام اس سے حسینوں کے نکل جاتے ہیں

جگر و دل میں ٹھہرتے نہیں وہ ناوک ناز — اِدھر آتے ہیں اُدھر صاف نکل جاتے ہیں

کیوں نہیں ہوتی دل سخت بتاں میں تاثیر — آہ سوزاں سے تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں

چشم بد دور لڑکپن کی ابھی تک ضد ہے — دیکھ کر وہ دل عشاق مچل جاتے ہیں

شوخیاں عالمِ طفلی کی جوانی میں کہاں   سلطنت بدلی تو عامل بھی بدل جاتے ہیں

طبعِ موزوں مری کا ہے کو ہے سانچہ ہے شہیر
اس میں اشعار ہر اک رنگ کے ڈھل جاتے ہیں

سوئے دیر اٹھتے ہیں شباب میں پاؤں   قطرہ زن ہیں رہِ ثواب میں پاؤں

دیکھ کر نورِ نقشِ پا کا ترے   کھب گئے چشمِ آفتاب میں پاؤں

سعی بے جا ہے کوچہ گردیِ عشق   توڑوں کیوں راہِ ناصواب میں پاؤں

دیر و میخانہ کے سوا نہ اوٹھے   اور جانب کہیں شباب میں پاؤں

طے ہوئی شکر منزلِ طفلی   رکھے اب جادۂ شباب میں پاؤں

پی کے نکلا ہے میکدہ سے شیخ   پڑتے ہیں نشۂ شراب میں پاؤں

تیری شوخی کے آگے جم نہ سکے   برق کے اوکھڑے اضطراب میں پاؤں

ہتھکڑی بیڑی جب سے پہنی ہے   ہاتھ آفت میں ہے عذاب میں پاؤں

جھومتے یہ کدھر چلے اے شیخ   کیوں نہیں قابوے جناب میں پاؤں

مجھ کو پامال ہی بگڑ کے کرو   کام تو آئیں کچھ عتاب میں پاؤں

دستِ بوسی کا جب سوال کرو   وہ بڑھا دیتے ہیں جواب میں پاؤں

طے ہوئی سختیوں سے راہِ فنا   ٹوٹے اس منزلِ حباب میں پاؤں

بندشِ پا شہیر ہے تعقید
کس طرح باندھوں آفتاب میں پاؤں

جانتے ہیں جیتے جی ہم اُن کو پا سکتے نہیں
پھر بھی اُن کی جستجو سے ہاتھ اٹھا سکتے نہیں

پھول اگر میری لحد پر وہ چڑھا سکتے نہیں
تو کوئی ٹھوکر بھی کیا آ کر لگا سکتے نہیں

فرطِ مے نوشی سے ہے ہاتھوں میں رعشہ اس قدر
سامنے رکھی ہے بوتل اور اٹھا سکتے نہیں

نازکی و ضعف سے معذور تم۔ معذور ہم
چل کے آ سکتے نہیں اور اُٹھ کے جا سکتے نہیں

مال اپنا ہے مگر ان کا یہ رعبِ حسن ہے
دیکھتے ہیں دل پڑا ہے اور اُٹھا سکتے نہیں

ایسی از خود رفتگی رہتی ہے ہر دم عشق میں
آپ میں آنا کبھی چاہیں تو آ سکتے نہیں

عمر بھر جن کے اٹھائے ناز ہم نے شوق سے
دو قدم بھی وہ مرا تابوت اُٹھا سکتے نہیں

جلوۂ حسنِ بتاں کی ہم حقیقت کیا بتائیں
جو کچھ ان آنکھوں نے دیکھا ہے دکھا سکتے نہیں

دیدۂ باطن نے جو دیکھا ہے جلوہ اے شہیر
چشمِ ظاہر بیں کو وہ صورت دکھا سکتے نہیں

مارچ ۱۹۰۷ء

مے و مینا و ساغر ہم برابر مول لیتے ہیں
جو یوں پاتے نہیں تو قرض لیکر مول لیتے ہیں

انھیں منظور ہے پوری طرح اب میری بربادی
سنا ہے غیر کے ہمسایہ میں گھر مول لیتے ہیں

اگر پٹ جائے تو ہم بھی یہ سودا کرنے آئے ہیں
سنا ہے آپ دل لے بندہ پرور مول لیتے ہیں

دلِ عشاق ہیں افسردگی میں داغ کے گاہک
چراغِ مردہ ہو کر ماہِ انور مول لیتے ہیں

جنونِ عشق کا موسم ہے فصلِ جوششِ سودا ہے
بہار آئی ہے رگ زن روز نشتر مول لیتے ہیں

انھیں کو چھانٹ کر رکھتے ہیں جن سے بت تراشے ہیں
پئے تعمیرِ مسجد ہم جو پتھر مول لیتے ہیں

یہی اس دل کی قیمت ہے جو اس دل کی تمنا ہے — بتِ عشوہ فروش اس پہ بھی اکثر مول لیتے ہیں

خریداری کی عادت بعد توبہ بھی نہیں چھٹتی — نہیں پیتے مگر مینا و ساغر مول لیتے ہیں

زمیں خشتِ کوئے یار ہے گو فرش و بالش سے — نہ تکیہ مول لیتے ہیں نہ بستر مول لیتے ہیں

خدا کی شان ہے اصنام میرے دل کے گاہک ہیں — خدا کا گھر یہ بت اللہ اکبر مول لیتے ہیں

نویدِ قتل ان کے ہاں نثاروں سرفروشوں کو — قریب اب عیدِ قرباں ہے وہ خنجر مول لیتے ہیں

غبارِ کوئے جاناں کی خریدار اپنی آنکھیں ہیں — ہم آنکھ گردِ راہ لے بادِ صرصر مول لیتے ہیں

عروجِ خاکساری نشۂ مے میں بھی نایاب ہے — تہ شیشہ پینے کو مٹی کا ساغر مول لیتے ہیں

شہیر آنکھیں نہ ہوں پیدا کیونکر عشقِ حیدر میں

ہم ان دو ساغروں سے حوضِ کوثر مول لیتے ہیں

قرار سے رہیں کیا شوخ بے حجاب کہیں — ٹھہر سکا ہے کسی وقت آفتاب کہیں

حفاظت آپ کریں اپنی نوجوانی کی — نہ لوٹ لے کوئی یہ دولتِ شباب کہیں

یہ کیسی ابتری میخانہ میں ہے بے ساقی — سبو پڑے ہیں کہیں ساغرِ شراب کہیں

حرام میکدے کی ہے حلال کوثر کی — کہیں عذاب ہے بادہ کشی ثواب کہیں

وہ اپنے جوشِ جوانی میں آپ ہیں سرمست — شراب سے ہے سوا نشۂ شباب کہیں

بس ایک رات کی مہمان نوجوانی تھی — کھلی جو آنکھ نہ تھا صبح کو شباب کہیں

شہیر دادِ وفا اور حسن والوں سے

یہ وہ سوال ہے جس کا نہیں جواب کہیں

۱۷-جنوری سنہ ۱۸ء

فراق یار میں مر مر کے صبح و شام کرتے ہیں ترے ہجراں میں بسر ہم زیست کے ایام کرتے ہیں
کرشمے آپ کے عاشق کشی کا کام کرتے ہیں قضا بیچاری کو تو مفت میں بدنام کرتے ہیں
نیاز عشق ادھر ہے اور ناز حسن اس جانب ہم اپنا کام کرتے ہیں وہ اپنا کام کرتے ہیں
یہ خواب ناز انکا نالۂ شبگیر سے بولا خموش او بے ادب سرکار ابھی آرام کرتے ہیں
خبر ہوتی نہیں اے دل ذرا بھی انکی آنکھوں کو مگر تیر نظر اپنا برابر کام کرتے ہیں
غلام اپنا بنا لیتے ہیں شیخ خوش کلامی سے زبانی خرچ سے وہ بندۂ بے دام کرتے ہیں

نہیں شیخ حرم سے کم وقار پیر میخانہ
ادب دل سے قمیر انکا بھی خاص و عام کرتے ہیں

۱۸؍جولائی سنہ ۱۹ء

ادب سے ذکر میرا مجنوں و فرہاد کرتے ہیں مری شاگردی پر لے عشق فخر استاد کرتے ہیں
تمنا تھی کبھی یہ آکے کہتا چوبدار انکا اٹھو جلدی چلو سرکار تم کو یاد کرتے ہیں
تمھارے خفتگان خاک کا ہے اک جدا عالم نئی دنیا یہ سب زیر زمیں آباد کرتے ہیں
یہی تو دیکھنا ہے ان کی بزم ناز میں چل کر کسے وہ شاد کرتے ہیں کسے ناشاد کرتے ہیں
گلے کٹوا کے وہ نالہ کشوں کی جان لیتے ہیں نیا شہر خموشاں اندنوں آباد کرتے ہیں
حسینوں کی جفا ہے تازیانہ ہم کو غفلت کا بتوں کے ظلم پر اپنے خدا کو یاد کرتے ہیں
نہ تھا کچھ دور گلشن بھی قفس ہی لیکے اڑ جاتے مگر پاس و لحاظ خاطر صیاد کرتے ہیں

خبر دیتی ہیں آ آ کر یہ ہچکیاں میری
مبارک ہو تمھیں بھولے جو تجھے وہ یاد کرتے ہیں

فلک کے سینہ سے بھی پار ہونگے تیر آہوں کے
فرشتوں سے کہو ہٹ جائیں ہم فریاد کرتے ہیں

کھڑے ہیں دیر سے ہم انتظار حکم عالی میں
ہمارے حق میں آخر آپ کیا ارشاد کرتے ہیں

وفورِ غم سے بچوں کی طرح ہم رونے لگتے ہیں
کبھی پیری میں جب اپنی جوانی یاد کرتے ہیں

لڑکپن میں پڑھا تھا باب پنجم جو گلستاں کا
شہیر اب آپ پیری میں اُسے کیوں یاد کرتے ہیں

مزہ کھانے کا اُٹھے بھر دے اے ساقی پیالے میں
کہ دو دو گھونٹ پیتا جاؤں میں ہر اک نوالے میں

کڑک بجلی کی آسانی سے پیدا کر دیں نالے میں
اگر سن لوں کہ ہے تاب سماعت سننے والے میں

مری نیت ہوئی جاتی ہے ڈالوں تُو دل اے ساقی
یہ کیا شئے تو نے بوتل سے انڈیلی ہے پیالے میں

خیال زلف شب کو صبح کو ہے یاد عارض کی
اندھیرا ہے اندھیرے میں اُجالا ہے اُجالے میں

مجھے دھوکا دیا اے شوخ کمسن تیری صورت نے
یہ کیا معلوم تھا سب گن بھرے ہیں بھولے بھالے میں

جگر ہے خون - دل دلدادۂ داغ محبت ہے
پڑے ہیں جان کے لالے پڑی ہے جان لالے میں

مزہ ہے دید کا اس کی جو ہو معشوق نادیدہ
نہیں کچھ لطف نظارے کا اے دل دیکھے بھالے میں

غرض ہر رنگ سے ہر رنگ میں یہ حسن ملتا ہے
صباحت بن کے گوروں میں ملاحت بنکے کالے میں

کلیجہ تھام کر فرماتے ہیں وہ میرے شیون پر
بھرا ہے اُف غضب کا درد اس ظالم کے نالے میں

سیہ خانے ہیں میرے رات دن یکساں ہے تاریکی
نہیں ہے بال بھر بھی فرق اندھیرے اور اُجالے میں

بتاؤ تو شہیر آخر دم آخر یہ کیا سوجھی
بتوں کی بندگی دیکھی نہیں اللہ والے میں

۲۵ - نومبر سنہ ۱۹۱ء

ہوا بیگانۂ پوشش سے جنوں بے سر و ساماں میں	صفت شعلے کی پیدا کرلی اپنے جسم عریاں میں
بجائے نوبت شادی صدائے سینہ کوبی ہے	برات آئی کہ نعش آئی مری گور غریباں میں
مرا دست جنوں بھی پیرو شمشیر قاتل ہے	شگاف زخم کی ترکیب ہے چاک گریباں میں
لیے جاتے تو ہو میرے دل پُر داغ کو لیکن	یہ گلدستہ نہ رکھکر بھول جانا طاق نسیاں میں
وہ داغ عشق ہو یا رنگ حسن اک روز مٹنا ہے	یہ دو دن کی بہار لالہ و گل ہے گلستاں میں
سر مژگاں یہ آکر جم گیا ہے خون کا قطرہ	کہ دل چھید کر کسی کا رہ گیا ہے نوک پیکاں میں
یہ کس دیوانے سے ملنے کو جوش بیقراری ہے	کہ عالم موج بے تابی کا ہے ریگ بیاباں میں
ہوا اب فاش وہ راز جنوں بھی دست وحشت سے	چھپا رکھا تھا جسکو پردۂ جیب و گریباں میں
فریب جلوۂ گل کیا ہے اک دھوکا ہی دھوکا ہے	نہیں ہے نام کو بوئے وفا رنگ گلستاں میں
جبھی تو یہ تجلی ہے جبھی تو اتنی تابش ہے	چراغ طور کی بتی ہے داغ قلب سوزاں میں
کہاں تک ہمت افزائی کہاں تک حوصلہ کاہی	کوئی حد بھی ہے کب تک دل لگے امید و حرماں میں
نیاز شوق و شرم ناز میں فرق مراتب ہے	مرا سر پاؤں پر ہے اُن کا آغوش گریباں میں
مریض عشق کی قسمت میں جو لکھا ہی ہونا ہے	مرے جاتے ہیں چارہ ساز ناحق فکر درماں میں
قیامت کی ہے سنسانی غضب کی بے زبانی ہے	کسی کو تاب گویائی نہیں شہر خموشاں میں
دبا جاتا ہوں لے قاتل جھکا جاتا ہے سر میرا	گرانباری احساں سے ادائے شکر احساں میں
الہ آباد آکے اے شہیر اب فیض گریہ سے	کمی کیا گوہر اشک عزا کی یاد نیساں میں

۱۱ اکتوبر ۱۹۱۰ء

نوک لے جوشِ جنوں کیا انکی مژگاں میں نہیں
خون ہی لیکن یہاں میری رگِ جاں میں نہیں

دھجیاں دستِ جنوں سے جیب و داماں میں نہیں
کوئی ٹکڑہ قسمتِ خارِ بیاباں میں نہیں

لے اجل اب روح میرے جسم بیجاں میں نہیں
ڈھونڈتی ہے کس کو یوسف اپنے زنداں میں نہیں

کس سے الجھے جوشِ وحشت میں مرا دستِ جنوں
تار بھی اب کوئی داماں و گریباں میں نہیں

عام ہے قیدِ جنوں لے ہوشیار و ہوشیار
ہے وہی دیوانہ جو اس سال زنداں میں نہیں

پڑگئی پھولوں پر ایسی اوس لے بادِ خزاں
نام کو بھی موجِ رنگ و بو گلستاں میں نہیں

جس جگہ ہو حسن ہو تم میں ہو یا یوسف میں ہو
خاص تخصیص اسکی کوئی مصر و کنعاں میں نہیں

ہوگئی ہو جو نہ انکی ٹھوکروں سے گرد برد
کوئی تربت ایسی اب گورِ غریباں میں نہیں

آپ کے منہ سے نہیں میں ہاں بھی تو نکلے کبھی
یہ بھی کوئی بات ہے ہر دم جو ہے ہاں میں نہیں

جانشین حضرت فرہاد و مجنوں تھا شہیر
بعد اس کے کوئی اب کوہ و بیاباں میں نہیں

ستمبر ۱۹۰۸ء

عیش و مستی کے خیالات خراب آتے ہیں
شامت آتی ہے جب ایامِ شباب آتے ہیں

ہوگیا غش سے افاقہ یہ خبر سنتے ہی
ہوش میں لانے کو لیکر وہ گلاب آتے ہیں

پا بہ دستے دگرے دست بدست دگرے
پی کے میخانہ سے یوں مست شراب آتے ہیں

پہلے کچھ قدر جوانی کی نہ معلوم ہوئی
یاد پیری میں اب ایامِ شباب آتے ہیں

ناتوانوں میں حسینوں کا گزر ہوتا ہے | سب کو سودا یہ ہے کہ شوخ یہیں تنگ آ جاتے ہیں
ہوں کہیں اُن کا تو اعمال پہنچتے ہیں وہیں | ہر جگہ ساتھ لئے اپنی کتاب آتے ہیں
ناز و انداز و ادا حسن خرام و غمزہ | سب بڑھائے ہوئے ہمراہ شباب آتے ہیں

صبح پیری میں بھی ہے نیند جوانی کی شہیر
تجھکو غافل نظر اب تک وہی خواب آتے ہیں

۴/ جون سنہ ۱۸ء

بات خاموشی میں وہ ہے جو نہیں تقریر میں | لطف گویائی کا ہے اے بت تری تصویر میں
سختیٔ قید جنوں جھیلوں یہ ہے تقدیر میں | ہے مری قسمت کا دانہ لوہے کی زنجیر میں
خانہ زاد کاکلِ پیچاں اسیر زلف ہیں | پرورش پائی ہے ہم نے خانۂ زنجیر میں
جم نہیں سکتا شبیہ یار میں رنگِ وفا | آ نہیں سکتی کبھی خوشبوئے گل تصویر میں
سو رہے ہیں کشتۂ بے خواب اے قاتل ترے | نیند آئی ہے ہوائے دامن شمشیر میں
جرأتِ عرضِ تمنا خوف سے ہوتی نہیں | مطلب دل ڈر سے لا سکتے نہیں تحریر میں
حضرت یعقوب شب کو خواب میں آئے نظر | صبح کو وہ غیرت یوسف ملا تعبیر میں

ہو گیا تیر اجل کا میں نشانہ اے شہیر
رہ گئیں سب حسرتیں مرکز دل نخچیر میں

ولہ

ربط ہے یوں تیر و قلب عاشق دلگیر میں | دل میں ہے پیکان دل ہے جائے پیکاں تیر میں

اصل میں ہیں ایک دونوں رنگ ظاہر کا ہے فرق
خون کی سرخی سفیدی ہو گئی ہے شیر میں

ہے سرِ شوریدہ میں بچپن سے سودا زلف کا
ہوش بھی میں نے سنبھالا خانۂ زنجیر میں

گرمیِ الفت ادھر ہے سرد مہری اُس طرف
ہم عرب میں ہیں وہ بت بے مہر ہے کشمیر میں

خط تو بھیجا ہے انھیں لیکن یہ ہے پورا یقین
پیش آئیگا وہی لکھا ہے جو تقدیر میں

عاشقانِ ابروئے جاناں عبث ہی کٹ مرے
چل گئی تلوار نا حق کوچۂ شمشیر میں

سینۂ گردوں سے بھی آہ رسا ہوتی ہے پار
توڑ اتنا اور یہ پلہ ہوائی تیر میں

عشق چشم یار نکلا پھیر قسمت کا شہیر
آگئی گردش اُن آنکھوں کی بھی تقدیر میں

۱۰ اکتوبر ۳۲ء

خلد کی نعمتوں میں لذت آزار نہیں
اتنی حوریں ہیں مگر کوئی دل آزار نہیں

بازیِ عشق میں سر دینے سے انکار نہیں
جان پر کھیلنا جانبازوں کو دشوار نہیں

مار ہی ڈالو جلانا نہیں منظور اگر
وعدۂ قتل تو کچھ وصل کا اقرار نہیں

سوکھے تنکے کی تہیں آگ میں ہستی کوئی
متحمل تن فرقت کا دل زار نہیں

ہوکے ہم مجرمِ الفت کسی قابل نہ رہے
ہوگئی حد کہ سزا کے بھی سزاوار نہیں

پاؤں پھیلا کے وہ اب چین سے گھر میں سوئیں
مر گیا میں کوئی نالاں پسِ دیوار نہیں

پاؤں کو توڑ کے کیوں آبلہ پا بیٹھ رہیں
کیا زمانہ میں کہیں وادیِ پرخار نہیں

دیدۂ دل سے تمھیں دیکھتے ہیں اہلِ نظر
لاکھ پردے بھی انھیں مانعِ دیدار نہیں

فصلِ گل عہدِ جوانی کو گزر جانے دو — [illegible] سے سمجھے بیٹھے ہیں [illegible] نہیں

[illegible] بیٹھے تھے وہ [illegible] ترستے تھے شمیم

قبروں میں سو رہے ہیں [illegible] نہیں

۱۳ اگست ۳۲ء

اعتبارِ عمرِ فانی کچھ نہیں — چار دن کی زندگانی کچھ نہیں

وقتِ پیری زندگانی کچھ نہیں — زندگانی ہے جوانی کچھ نہیں

آنسوؤں سے کیا بجھے دل کی لگی — آگ کے آگے ہے پانی کچھ نہیں

سن کے وہ افسانۂ الفت مرا — بولے یہ جھوٹی کہانی کچھ نہیں

اس قفس میں دی جگہ صیاد نے — جس میں تھوڑا دانہ پانی کچھ نہیں

بے بقا ہے عالمِ ناپائیدار — کچھ نہیں دنیائے فانی کچھ نہیں

خشک ہے بے اشک کشتِ آرزو — سوکھتا ہے دھان پانی کچھ نہیں

جامِ مے جب تک ہے گردش میں شمیم

خوفِ دورِ آسمانی کچھ نہیں

دسمبر سنہ ۲۳ء

شرارے سوزِ دل کے آہ میں مل کر نکلتے ہیں — بجائے اشکِ گرم آنکھوں سے اب اخگر نکلتے ہیں

مدد اے ہوش و تاب و تب وقتِ دستگیری ہے — سنور کر وہ حجابِ ناز سے باہر نکلتے ہیں

یہ حسرت رہ گئی تا عمر مجھ مایوس و محزوں کو — کسی کے دل کے ارماں اے فلک کیونکر نکلتے ہیں

نقاہت کہتی ہے اٹھو حیا کہتی ہے گھر بیٹھو
نہ اندر رہتے بنتا ہے نہ وہ باہر نکلتے ہیں

نہیں ہے طاقتِ فریاد زورِ ناتوانی سے
پہ مشکل منہ سے نالے آہ ہو ہو کر نکلتے ہیں

کسی کو قتل کرتے گو انھیں دیکھا نہیں لیکن
جنازے اُن کے کوچہ سے مگر اکثر نکلتے ہیں

ابھی تک میرے مرقد پہ ہے اجل سختیِ دوراں
کہ جس جا قبر کھدتی ہے وہیں پتھر نکلتے ہیں

ہلاکت کا سبب اوج پانا دونِ فطرت کا
قضا چیونٹی کی آتی ہے جب اس کے پر نکلتے ہیں

شبِ وعدہ شہیر آتے ہیں روحِ تازہ جو ہو کر
دمِ رخصت سحر کو جان وہ بن کر نکلتے ہیں

دل کی چوٹیں داغ بن بن کر نمایاں ہو گئیں
جو جگر میں رہ گئیں وہ دردِ پنہاں ہو گئیں

عیشِ شب کی جتنی تھیں خوابِ پریشاں ہو گئیں
تھیں خیالی صورتیں سب دن کو پنہاں ہو گئیں

عقل و دانش کی کتابیں کون پڑھتا عشق میں
کرم خوردہ ہو کے زینِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

شاخہائے گل میں گھر کر قیدِ بلبل ہو گئی
ڈالیاں ہر سمت کی دیوارِ زنداں ہو گئیں

حیلہ جو تھیں رحمتیں حق کی پئے عفوِ گناہ
خود سبق آموزِ عذرِ سہو و نسیاں ہو گئیں

وہ امیدیں کیا اٹھاتیں سر دلِ مایوس میں
جو کہ پامالِ ہجومِ یاس و حرماں ہو گئیں

چار بوندیں تھیں لہو کی دل جگر کی کائنات
وہ بھی صرفِ دعوتِ سوفار و پیکاں ہو گئیں

قیدِ آب و گل سے دنیا میں نہ چھوٹے کائنات
چاروں دیواریں عناصر ہی کی زنداں ہو گئیں

چھوٹے وعدوں پہ جو دل خوش کن امیدیں تھیں شہیر
وائے ناکامی کہ وہ بھی یاس و حرماں ہو گئیں

سوزِ غمِ الفت کو رو رو کے بڑھاتے ہیں — بیٹھے ہوئے پانی میں ہم آگ لگاتے ہیں

ہیں ضبط کی تاکیدیں آئینِ محبت میں — پی جاتے ہیں جب آنسو آنکھوں میں بھر آتے ہیں

سنگِ درِ جاناں پر حیلہ ہے جبیں سائی — ہنستے ہوئے جاتے ہیں روتے ہوئے آتے ہیں

یوں کارکنِ فطرت کرتے ہیں چمن بندی — شبنم کو رلاتے ہیں پھولوں کو ہنساتے ہیں

رکھدیں کھلی تربت میں احباب مرا لاشہ — کچھ عیب نہیں ہوں میں جو مجھکو چھپاتے ہیں

کیوں آپ تشہیر انکو کر لیتے نہیں اخفیٰ
منت سے خوشامد سے روٹھے کو مناتے ہیں

صورت وحدت آشکار دیدۂ امتیاز میں — جلوہ ہر فرد رونما آئینۂ مجاز میں

نغمۂ سازِ سوزِ غم۔ نالۂ دلنواز میں — گرمیِ شوق پردۂ آہِ جگر گداز میں

چشمِ حقیقت آشنا۔ آئینۂ مجاز میں — دیکھ رہی ہے انکا عکس جو ہے حجابِ ناز میں

حالِ مریضِ ہجر کا۔ کیا ہے شبِ دراز میں — جانے وہ کیا جو سو رہے جاکے حریمِ ناز میں

فتنے تو پڑکے سو رہے پہلوئے خوابِ ناز میں — سحر کو راہ مل گئی دیدۂ نیم باز میں

اے دلِ درد آشنا اس سے جفا کا کیا گلہ — ذوقِ ستم بھی ہو ملا جسکی ادائے ناز میں

پاؤں نکالتے نہیں وہ تو حریمِ ناز سے — سجدے یہاں ہیں بیقرار ناصیہ نیاز میں

انکے لبِ زبان میں گو جوہرِ راستی نہو — جھوٹی تسلیاں تو ہیں وعدۂ حیلہ ساز میں

نالوں کی گرم جوشیاں۔ آہوں کی سرد مہریاں — کرتی ہیں کارسازیاں عشق کے سوز و ساز میں

آپ کا دل تو پھر ہے دل، سنگ بھی ہو تو موم ہو　　ایسی ہے گرمیٔ اثر نالۂ دلگداز میں

راہِ تلاشِ یار میں چھپتے ہیں نقشِ پائے خاک　　آنکھوں کے آ لگے ہیں یہ سب دیدۂ امتیاز میں

شمعِ سیاہ خانہ پر ہو گیا سایہ بھی شریک　　لگ گیا اور ایک پٹ طینِ شبِ دراز میں

برقِ جمالِ طور سوز، نورِ جمال دلفروز　　حکمتِ سوز و ساز ہے قدرتِ حق کے راز میں

ابرِ تجلیٔ غم کے ساتھ آ ہوئی بجلیاں بھی ہیں　　اس کی راہِ ہدایت وادیٔ برقِ ناز میں

گردِ سپہر خدا ہوئے لاکھوں پتنگے جل مرے　　شمع بھی گل کے بجھ گئی اس غمِ جانگداز میں

شمع بجھی، سحر ہوئی، اٹھ گئے اہلِ بزم بھی　　رنگِ شبینہ اب کہاں محفلِ سوز و ساز میں

حسبِ مشیت تب قدم گر گئے آپ نہ گئے یل　　پائے طلب الجھ گئے دامنِ حرص و آز میں

حسنِ نظارہ سوز پر تابِ نظر کسے شہیر
مصلحتاً اسی سے تو وہ ہیں حجابِ ناز میں



ردیف و

نبی سا جو معشوقِ عاشق نما ہو　　وہ محبوبِ حق کیوں نہ صلِّ علیٰ ہو

علی سا وصی جس کا مشکل کشا ہو　　وہ کونین کا کیوں نہ حاجت روا ہو

اگر پردۂ میمِ احمد اٹھا ہو　　تو شانِ احد صاف جلوہ نما ہو

جو عشقِ نبی میں شہید وفا ہو — تو مرنے میں جینے کا حاصل مزا ہو

رہوں محوِ نظارۂ روئے احمد — مری چشمِ حق بیں میں نورِ خدا ہو

غرض یہ ہے اے شافعِ روزِ محشر — مرا کام اور نام آپ کا ہو

شہیر اُس کی امت کو کیا خوف محشر

جو محبوبِ حق ہو شفیع الوریٰ ہو

لئے ساتھ اپنے ہر دم رکھتی ہے گرم عناں مجھکو — ٹھہرنے ہی نہیں دیتی کہیں عمرِ رواں مجھکو

گھٹی جاتی ہے قوت دیتے جاتے ہیں جواب اعضا — چلا جاتا ہے چھوڑے راستہ میں کارواں مجھکو

سفر کا خاتمہ ہے منزلِ پیری پہ آپہونچے — یہاں سے اب کہاں لیجائیگی عمرِ رواں مجھکو

مثل مشہور ہے یہ سب کو اپنی جان پیاری ہے — تو پھر کسطرح تم پیارے نہو اے جانِ جاں مجھکو

میں راضی تھا خوشی سے اپنی قسمت کے بدل دیتا — اگر اے دوستو ملتا نصیبِ دشمناں مجھکو

قفس میں اپنی بے بال و پری پر پھر میں روتا ہوں — جب اے صیاد آجاتی ہے یادِ آشیاں مجھکو

ہوا خواہ چمن ہوں دم ترے پھولوں کا بھرتا ہوں — مخالف جانتا ہے کس لئے اے باغباں مجھکو

نہ رونے پر ہنسو تازہ گرفتارِ مصیبت ہوں — ابھی اچھی طرح آتی نہیں آہ و فغاں مجھکو

میں ننگِ دودماں ہوں جانتا ہوں اے شہیر اسکو

غلط ہے لوگ کہتے ہیں جو فخرِ خانداں مجھکو

۵ ر نومبر سنہ ۲۳ء

رنگِ نیاز و شکر ملا ہے بہار کو — دیکھو جھکا گلوں سے سرِ شاخسار کو

ہو دیکھنا اگر ستم روزگار کو — دیکھو قفس میں مجھکو چمن میں بہار کو

بجلی دکھاکے شوخیِ برقِ جمال کا — تڑپا رہے ہیں اور دلِ بیقرار کو

گویا ہے ایک قطرۂ شبنم نوکِ خار — یوں ہے ثبات ہستیِ ناپائدار کو

رنجش نہیں کسی سے مکدر ہے اپنا دل — آئینہ میں جگہ نہیں دیتے غبار کو

پھولوں کو دیکھے اپنے پرونکی ہوا طیور — بھڑکا رہے ہیں آتشِ رنگِ بہار کو

غربت کی شام صبحِ وطن دونوں دیکھکر — سمجھا میں رازِ گردشِ لیل و نہار کو

پیری میں بھی شہیر شگفتہ ہو دل اگر
میں موسمِ خزاں میں دکھادوں بہار کو

اشکوں سے سوزِ الفت میں کس طرح کمی ہو — وہ آگ یہ نہیں ہے پانی سے جو بجھی ہو

خود تو ہے گر نہ اس پر کیوں مرگِ بے کسی ہو — پرساں نہ اے غریبی جس کا کہیں کوئی ہو

ہو رشکِ حور کوئی یا غیرتِ پری ہو — حیوان سے ہے بدتر جب تک نہ آدمی ہو

جلوہ ہے جسکے آنکھیں روشن ہوئیں ازل میں — پہچانتا ہوں صاحب میں خوب تم وہی ہو

وقفہ چھلکنے میں کیا لبریز ساغروں کے — کیا ڈبڈبائی آنکھوں میں اشکوں کی کمی ہو

یہ ٹھیک ہے انوکھی یہ ضد بھی ہے نرالی — جو میں کہوں نہ وہ ہو جو تم کہو وہی ہو

آواز سن ترانی گوشِ آشنا ہے میری — مشتاق میں ہوں جس کا تم ہو نہو وہی ہو

تھا لطفِ شعر خوانی تا عالمِ جوانی
پیری میں لے شہیر اب کیا خاک شاعری ہو

نالۂ دل ہے بے اثر سخت جگر اگر نہ ہو
تیر نشانہ کیا لگے کچھ بھی جو زور پر نہ ہو

نور جمال پاک اگر آنکھوں میں جلوہ گر نہ ہو
روشنی پھر کبھی شیشۂ منتظر نہ ہو

گرمیِ حسنِ یار کا جلوہ ہر ایک شے میں ہے
نار میں کیوں نہ نور ہو سنگ میں کیوں شرر نہ ہو

پرسشِ حالِ دل کا ہائے کیا میں انھیں جواب دوں
اسکو کسی کی کیا خبر اپنی جسے خبر نہ ہو

گردش چشم میں ہے کیف ساغر مے کے دور کا
ساقیِ بزم بے خودی آپ ہی کی نظر نہ ہو

پاس ادب ہزار ہے مجھکو صدائے دور باش
چہرۂ یار سے جدا میری مگر نظر نہ ہو

روز فراق وہ طویل جس کی نہ شام ہو شہیر
ہجر کی رات وہ دراز جس کی کبھی سحر نہ ہو

کچھ ہو عیاں نہ لیکن سوز غم نہاں ہو
ہو جاؤں راکھ جلکر پھر بھی نہ کچھ دھواں ہو

ہونے کو یوں تو ہر جا ہر وقت ہر زباں ہو
لیکن چھپے ہو ایسا کھلتا نہیں کہاں ہو

گردن کی رگ سے بھی ہو نزدیک تر جو ہر دم
ہے طرفہ تر تماشا آنکھوں سے وہ نہاں ہو

ہے جب بہار رنگ و بوے چمن دو روزہ
گلشن میں شاخ گل پر کیا فکر آشیاں ہو

مارو جلاؤ ایذا آزار دو کہ جی لو
مالک ہو روح و تن کے مختار جسم و جاں ہو

بیمار غم کی صحت ہے منحصر اسی پر
یعنی جو چارہ گر ہو وہ کچھ مزاج داں ہو

گزری شب جوانی ہے وقت صبح پیری
دیکھیں شہیر ہم کو شام آج کی کہاں ہو

ردیف ہ

اے شیخ آنکھ اگر ہے تو روئے نگار دیکھ
چل بتکدے میں قدرتِ پروردگار دیکھ

ہاں اک ذرا اِدھر بھی تو اے چشمِ یار دیکھ
آتا ہوا قرار دلِ بے قرار دیکھ

اے کان جز نوائے طرب اور کچھ نہ سُن
اے آنکھ صرف صورتِ زیبائے یار دیکھ

ہے رنگِ انقلاب سفید و سیاہ دہر
اے غافل آنکھ کھول کے لیل و نہار دیکھ

بجلی کو دیکھنا ہو جو اے شوخ برق وش
بیتابیوں میں میرا دلِ بیقرار دیکھ

اے جوشِ غم نہ قطع ہو رونے کا سلسلہ
اشکوں کا میرے ٹوٹنے پائے نہ تار دیکھ

دولھا بنے ہوئے ہیں جوانانِ بوستاں
چل اے شہیرِ حسنِ عروسِ بہار دیکھ

ردیف ی

نہ ہو جس دل میں تم وہ دل نہیں ہے
کہ بے محمل نشیں محمل نہیں ہے

مرا دشمن ہے میرا دل نہیں ہے
کوئی اس کے سوا قاتل نہیں ہے

جو داغِ عشق کے قابل نہیں ہے
وہ اک بیکار شے ہے دل نہیں ہے

جو ہم چاہیں نہیں دشوار ہے وصل — جو تم چاہو تو کچھ مشکل نہیں ہے
تمھارے ہاتھ میں اوروں کے دل ہیں — مرے قابو میں میرا دل نہیں ہے
محیط عشق ہے وہ بحر زخار — ہزاروں کوس تک ساحل نہیں ہے
خودی ایسی سمائی ہے کہ توبہ — خدا کا بھی وہ بت قایل نہیں ہے
نہ توڑ اے خانہ برانداز کافر — خدا کا گھر ہے میرا دل نہیں ہے

بتوں کی یاد میں بھی ذکر حق ہے
شہیر اللہ سے غافل نہیں ہے

داغ جگر ہے گوشۂ عزلت کے واسطے — اچھا چراغ پایا ہے خلوت کے واسطے
حسن و جمال ہے تری صورت کے واسطے — صورت تری ہے عشق و محبت کے واسطے
کام آئے خوب ہجر میں داغ دل و جگر — دو دو چراغ تھے شب فرقت کے واسطے
اے عشق تیری وجہ سے سب سے برے ہوئے — دشمن بنے ہر اک سے محبت کے واسطے
طول شب فراق سے گھبرا گیا یہ جی — مانگیں دعائیں صبح قیامت کے واسطے
سچ ہے مریض ہجر و محبت کی جان کیا — کیوں کوئی آئے میری عیادت کے واسطے
کب تک رہیں گی پردے میں یہ لن ترانیاں — آنکھیں ترستی ہیں تری صورت کے واسطے
کوچہ میں ان کے ہے یہ صدا مجھ فقیر کی — دو گز زمین چاہیئے تربت کے واسطے
حسن و جمال دوست کا دل جلوہ گاہ ہے — یہ آئینہ ہے یار کی صورت کے واسطے
گھبرا نہ جائیں دیکھ کے دم توڑتا ہوا — وہ نزع میں نہ آئیں عیادت کے واسطے

یہ جتنے فتنے اُٹھتے ہیں روز اُنکی چال سے
سب جمع ہو رہے ہیں قیامت کے واسطے

فرماتے ہیں وہ سُن کے تخلص شہیر کا
رکھا ہے خوب نام یہ شہرت کے واسطے

۱۷۔ اگست سنہ ۲۳ء

چلے تھے گھر سے کعبہ کو سوئے دیر بتاں آئے
ارادہ تھا کہاں کا بھول کر رستہ کہاں آئے

شب وعدہ وہاں کا ہے کہ وہ آرام جاں آئے
جہاں مرغ سحر بولے جہاں شور اذاں آئے

ترا در چھوڑ کر اے بت جو مجھ سا پا شکستہ ہو
کہاں اٹھے کہاں بیٹھے کہاں جائے کہاں آئے

قفس میں صورت ابر بہاری جسکو رونا ہو
اُسے کیا موسم گل جائے یا فصل خزاں آئے

ڈراتی ہے درازی شب غم کس کو فرقت میں
نہیں ڈرتا بلائے موت سے میں کہدے ہاں آئے

زباں اپنی ہو ناکام طرز عرض مطلب میں
بلا سے کچھ نہ آئے لیکن انداز بیاں آئے

سلامت ہے سر شوریدہ تو افتاد کا غم کیا
جہاں تک آنے والی ہو بلائے آسماں آئے

مرے نالے شب غم یہ منادی کرتے پھرتے ہیں
جسے ہو جان پیاری وہ نہ زیر آسماں آئے

سنو تم گوش دل سے تو سناؤں اپنا افسانہ
مرا بھی جی لگے تمکو بھی لطف داستاں آئے

تعارف اے شہیر اضداد سے ہوتا ہے اشیا کا
خیال دشمناں میں کیوں نہ یاد دوستاں آئے

۲۶۔ ستمبر سنہ ۲۳ء

شب بلا کیا خبر کسی کو کہ غم سے حالت ہے کیا کسی کی

عذاب میں کون مبتلا ہے کسی سے پوچھے بلا کسی کی
قبول ہوتی نہیں بتوں میں کبھی کوئی التجا کسی کی

زرا بھی ڈرتے نہیں یہ ظالم کہیں نہ سن لے خدا کسی کی
خبر نہ ہو جب تو خاک سمجھیں ہم ابتدا انتہا کسی کی

کہاں سے آغاز ہے وفا کا کہاں سے حد جفا کسی کی
کریں گے برباد آ کے جھونکے رہیگا قائم نہ کوئی ذرہ

تمہارے کوچہ میں بیٹھنے دیگی نہ خاک تک بھی ہوا کسی کی
زبان نا آشنائے شکوہ ہے لب گلہ سے نہیں ہیں واقف

یہ غیر ممکن ہے میں شکایت کبھی کروں انکی یا کسی کی
ادا کیا جس لب و زباں سے ہمیشہ شکر و سپاس قاتل

اسی سے پیش خدا شکایت کروں میں محشر میں کیا کسی کی
کہیں ہے عقد گہر سے بہتر شہیر تعقید اس غزل میں
کرے کوئی اعتراض واہ مجال یہ کیا بھلا کسی کی

۲۷/ ستمبر سنہ ۲۳ء

غلغلۂ بہار باغ رشک نوائے ساز ہے	رنگ شگفتگیٔ گل پردہ کشائے راز ہے
عشق کے ساتھ حسن کا ساز عجیب راز ہے	یعنی دیا ہے جس نے درد آپ وہ چارہ ساز ہے
دست ہوس میں اے اجل دامن حرص و آز ہے	طول امل کا سلسلہ عمر سے بھی دراز ہے

رنج فراق جانگسل۔ شادیٔ وصل دل گداز
دونوں کا ہے مآل ایک یہ بھی عجیب راز ہے

صوم و صلوٰۃ کچھ نہیں۔ نور یقیں اگر نہیں
حسنِ عقیدت اصل میں بندگی و نماز ہے

تیغ بکف ہیں وہ اُدھر میں ہوں جھکائے سر ادھر
یعنی ہے ناز ایک سمت۔ ایک طرف نیاز ہے

ڈرتے ہیں آبرو کو سب کہتے ہیں کون منہ لگے
خنجر قاتل اے اجل سخت زباں دراز ہے

کیف مئے شباب سے ہوشربا ہیں جامِ چشم
انکی نگاہ مست ہی ساقیٔ بزم ناز ہے

نیتِ ترک ہے ضرور لیکن ابھی بہت ہے وقت
کیوں کروں بند میکشی جب کہ در توبہ باز ہے

گو کہ خدا سے ہے سوال پھر بھی ہے سخت انفعال
آنکھیں جھکی ہیں شرم سے دستِ دعا دراز ہے

غم نہیں کار بستہ کا صاف ہے یہ کھلا کھلا
جس کے کرم کی آس ہے آپ وہ کارساز ہے

کر دیا ناز آفریں ہر بتِ خوش جمال کو
یہ بھی شہیرؔ قدرتِ خالقِ بے نیاز ہے

بندے تمھارے کافر و دیندار ہو گئے
آزاد اسیرِ سبحہ و زنار ہو گئے

اعضائے جسم شیب میں بیکار ہو گئے
گرتے ہوئے مکان کی دیوار ہو گئے

ممنونِ منتِ بنِ مریم نہیں ہوئے
اچھے رہے جو عشق کے بیمار ہو گئے

ساری یہ عشق و حسن کی ہیں کارسازیاں
ہم دل فگار آپ دل آزار ہو گئے

آنکھوں سے جو ٹپک نہ سکے قطرہ ہائے خوں
وہ داغ بن کے دل پہ نمودار ہو گئے

اُن کی کشیدگی نے ہزاروں کی جان لی
وہ کھنچتے کھنچتے آپ ہی تلوار ہو گئے

کوچہ میں اُن کے نقشِ قدم بن کے پڑ رہے
جس وقت اٹھ کھڑے ہوئے دیوار ہو گئے

یہی پائے بادیہ پیما ہے لے کے جنوں — رستے جو کوہ و دشت کے ہموار ہو گئے

مرتے ہی دم آئی ساقیِ بزمِ ازل کی یاد — مستِ الست نزع میں ہشیار ہو گئے

آباد میکدے ہوئے فصلِ بہار میں — ہر سمت ٹوٹی توبہ کے انبار ہو گئے

سب مٹ گئیں شکایتیں سوزِ فراق کی — ٹھنڈے دمِ سحر ترے بیمار ہو گئے

دامِ فریبِ ہستیِ ناپائیدار میں
ناحق شہیر آکے گرفتار ہو گئے

زاہدو جانتے ہو شیشوں میں کیا ہوتا ہے — پارسائی کا لہو سب میں بھرا ہوتا ہے

جلوہ آرائیِ صورت ہے طلسمِ حیرت — حسن، آئینۂ تصویر نما ہوتا ہے

ہو کے عالم میں گزر ہے ترے دیوانوں کا — یہ وہاں رہتے ہیں جس جا کہ خدا ہوتا ہے

دل شکن باتیں وہ لکھتے ہیں جوابِ خط میں — پیش آتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

ساتھ دیتا نہیں کوئی شبِ تنہائی میں — مجھ سے سایہ بھی سرِ شام جدا ہوتا ہے

بوسۂ لب مجھے دیتے بھی ہیں تو غیر کے بعد — شہد ملتا ہے مگر زہر ملا ہوتا ہے

قید میں مائلِ پرواز ہے روحِ بلبل — طائرِ جاں قفسِ تن سے رہا ہوتا ہے

شوق سے وارو مرے دل کو تم اپنے سر سے — صدقہ سب جانتے ہیں ردِّ بلا ہوتا ہے

غازۂ روئے قمر ہوتی ہے وہ خاکِ شہیر
جس پر اُس شوخ کا نقشِ کفِ پا ہوتا ہے

دلِ عشاق عناصر سے جدا ہوتا ہے — یہ تو کچھ اور ہی چیزوں سے بنا ہوتا ہے

پار کر دیتا ہے بیڑا وہی مایوسوں کا — ناخدا ڈوبتی کشتی کا خدا ہوتا ہے

نہیں رہتی کسی بیدرد کو بھی تاب نظر — نگہ یاس میں وہ درد بھرا ہوتا ہے

اے فلک لاگ لگانا نہیں ہم سے اچھا — دل جلا تو نے ستا ہوگا برا ہوتا ہے

پرسش حالت دل ہوتی ہے نشتر بہ جگر — درد ہمدردیوں سے اور سوا ہوتا ہے

رہتے ہیں زندۂ جاوید شہیدان وفا — ان کا ہر قطرۂ خوں آب بقا ہوتا ہے

سیر ہوتا ہی نہیں لذت آزار سے دل — کچھ عجب درد محبت کا مزا ہوتا ہے

عین دانائی ہے مجنون محبت بننا — دل مرا عاقل دیوانہ نما ہوتا ہے

ہائے پرساں نہیں بیمار محبت کا کوئی — کون آمادۂ تدبیر شفا ہوتا ہے

اپنے اللہ سے کہہ دیتا ہوں سب دل کی شہیر
سننے والا مری باتوں کا خدا ہوتا ہے

مئی سنہ ۱۲ء

ہے وبال جاں شب غم یہ گراں جانی مری — کھو دے آکر اے اجل تکلیف روحانی مری

شکوۂ وعدہ خلافی کر کے خود محجوب ہوں — بڑھ گئی ان کی ندامت سے پشیمانی مری

در پئے حسن قناعت ہے زلیخائے ہوس — کم نہ ہو یوسف سے یارب پاکدامانی مری

دونوں ہیں غماز گویا راز حسن و عشق کے — آپ کی جمعیت خاطر پریشانی مری

سجدے کو ملتا نہ سنگ آستان یار اگر — ناک گھستی کس کے در پر جا کے پیشانی مری

ہے نمود سیمیائی یا طلسمات حباب — نقش برآب اے اجل ہے ہستی فانی مری

آج رکھ لی آبروئے شرم گنہ نے حشر میں
اس پریشانی میں کام آئی پشیمانی مری

تھی کنارِ نیستی میں پرورش پائی ہوئی
بے بقا کیونکر نہ ہوتی ہستیٔ فانی مری

پاک ہے تقلید سے ہر شعر کی کیسی رویت
اے شہیر نکتہ رس دیکھی سخندانی مری

۱۹- دسمبر ۲۲ء

پھنسیں ہیں قیدِ آب و گل میں روحیں جسمِ انساں کی
عناصر کی حدیں شش سمت دیواریں ہیں زنداں کی

مری صورت پرستی معنیٔ حسنِ عقیدت ہے
تجلی ہے جمالِ شاہدِ پیدا میں پنہاں کی

پلا دیتے ہیں پانی پاؤں کے چھالے ترس کھا کر
زبانیں دیکھ کر سوکھی ہوئی خارِ بیاباں کی

غنیمت وحشتِ جامہ دری کو کیوں نہ سمجھوں میں
یہی ہے یادگار اک صحبتِ دست و گریباں کی

کہاں کی تنگنائے دل میں یارب اتنی وسعت ہے
کہ گنجائش نکلتی آتی ہے غمہائے دوراں کی

اثر چہرے ہی سے ظاہر ہے رنگِ نامرادی کا
مری صورت ہی آئینہ ہے شکلِ یاس و حرماں کی

نظر آئے تماشا پتلیوں میں عکسِ قاتل کا
اگر کھینچے کوئی تصویر میری چشمِ حیراں کی

توحّد جذبِ الفت سے ہوا تو تثنیہ کیسا
محبت میں نہیں تفریق کوئی جان جاناں کی

کیا ہے عشق نے مجموعۂ ہوش و حواس ابتر
کرے شیرازہ بندی کون ان اجزائے پریشاں کی

ذرا بھی جسکو فرصت ہو نہ اپنی کنگھی چوٹی سے
بھلا وہ کیا خبر لیگا مرے حالِ پریشاں کی

اچھلنا سینہ میں رہ رہ دلِ بیتاب و مضطر کا
قفس میں ہمتِ پرواز ہے مرغِ پر افشاں کی

شہیر اس عاشقِ ناکام کو ہر کام مشکل ہے
جسے آسانیاں دشواریاں ہیں کارِ آساں کی

پہلے تو گھبراتی تھی قالب میں روح آتے ہوئے
جان نکلی جاتی ہے اب جسم سے جاتے ہوئے

تھی نگاہِ اولِ الفت نگاہِ واپسیں
دیر کیا تھی دل کو آتے جان کو جاتے ہوئے

پوچھ قاتل میں میری قبر کا ہے یہ پتہ
داہنے پڑتی ہے جاتے بائیں کو آتے ہوئے

داورِ محشر نے دیدی میری منہ مانگی مراد
کیوں ہوس حور و پری میں کرتا تمھیں پاتے ہوئے

قدِ آدم اور بھی شورِ قیامت بڑھ گیا
عرصۂ محشر میں وہ آئے جو اٹھلاتے ہوئے

جب سے سوئے مرقدوں میں آکے پھر کروٹ نہ لی
مست خوابِ مرگ ایسے نیند کے ماتے ہوئے

گور سے بھی بڑھ کے مردم خور تو یہ فکر ہے
دیر ہی لگتی نہیں انسان کو کھاتے ہوئے

صبح رخصت ہے ابھی تا شام جینا ہو چکا
اک نظر پھر دیکھ لے اے جان جاں جاتے ہوئے

یاد ہیں وہ دن تمھاری نوجوانی کے شہیر
پھرتے تھے راتوں کو جب گلیوں میں تم گاتے ہوئے

۲۱- دسمبر سنہ ۲۱ء

صحبت تری عام ہو گئی ہے
اس سے بدنام ہو گئی ہے

کہنے لگے ہیں جو صبح سے حال
اکثر ہمیں شام ہو گئی ہے

ہر گھر میں تری تجلی حسن
زیب در و بام ہو گئی ہے

قاضی کو حلال مفت کی ہے
داموں کی حرام ہو گئی ہے

شب کو وہیں پڑ رہے ہیں تھک کر
جس جا ہمیں شام ہو گئی ہے

مے نوشوں کی سر نوشت اے شیخ
خطِ لبِ جام ہو گئی ہے

دنیا کو طلاق دو جوانو | بوڑھی ہے کام ہو گئی ہے
پیری میں شب شباب کی بات | یادِ ایام ہو گئی ہے

دنیائے سخن میں اے شہیر اب
شہرت مرا نام ہو گئی ہے

ہماری لاش جس دن کوچۂ قاتل سے نکلیگی | تمنائے دل ناشاد اسی دن دل سے نکلیگی
کسی دن تو ہمارے دل کی حسرت دل سے نکلیگی | کبھی تو لیلیٰ محمل نشیں محمل سے نکلیگی
اگر ہے عشق صادق تو اثر بھی آہ میں ہوگا | سمجھ لو دل میں بیٹھے گی وہی جو دل سے نکلیگی
مجھے چڑھ چڑھ کے وہ کوسینگے میں انکو دعا دونگا | وہ اُن کے دل سے نکلیگی یہ میرے دل سے نکلیگی
وہی رُلوائیگی آنسو لہو کے چشم قاتل سے | نگاہ آخری جو دیدۂ بسمل سے نکلیگی
زمانہ بھر کی بربادی کا گھر ہوگا دل ویراں | خرابی ساری دنیا کی اسی منزل سے نکلیگی

شہیر اب عالم پیری ہے کچھ تو فکر عقبیٰ کر
ہوس دنیا کی اے غافل نہ کبتک دل سے نکلیگی

۲۰- اپریل ۱۲ء

تنہا لڑے گی مجمع محشر میں سبھی سے | لاکھوں میں بھی وہ آنکھ نہ جھپکے گی کسی سے
ناراض نہ ہو۔ تھا مرا انکار ہنسی سے | لو شوق سے۔ میں دل تمھیں دیتا ہوں خوشی سے
کل شیخ کو دیکھا تھا کہ ساقی کی گلی سے | کیا جھومتے گاتے چلے آتے تھے خوشی سے
خاموشی شرم آپ کی ہے غنچہ لبی سے | دامانِ حیا کی ہے بہار ایک کلی سے

تنہائی میں باتیں جو ہوا کرتی ہیں جی سے
افسوس اُسے کہہ نہیں سکتا ہیں کسی سے

ہیں مست شہیر آج مئے حب علی سے
کل حشر میں کوثر کی اُڑائینگے خوشی سے

انسان نے وہ بار غم عشق اٹھایا
جو جن و ملائک میں نہ اٹھا تھا کسی سے

اغیار بھی تو مدعی عشق ہیں آخر
نفرت تجھے ان سے بھی ہے یا صرف مجھی سے

کچھ درد محبت کا مزہ کہہ نہیں سکتا
اس لذت آزار کو پوچھو مرے جی سے

کیا غم بھی ضروری ہے شہیر اپنی خوشی میں
دیکھا ہے کہ آنسو نکل آتے ہیں خوشی سے

۲۹ ستمبر سنہ ۱۲ء

یکدلی کا نقشہ جمال عشق کامل میں رہے
جو ہمارے دل میں ہو وہ آپکے دل میں رہے

وسعت کونین جس کے واسطے کافی نہ ہو
قدرت حق ہے سمٹ کر وہ مرے دل میں رہے

ہو گیا جس جا گزر۔ اُس جا گھر اپنا کر لیا
ہو گئے اُس دل کے مالک آپ جس دل میں رہے

ہم تو از خود رفتگی سے اپنے آپے میں نہ تھے
کیا بتائیں کس طرح اس بت کی محفل میں رہے

ہم کو اس شہر خموشاں سے اٹھا لے شور حشر
کون منہ باندھے ہوئے گونگوں کی محفل میں رہے

سوز غم داغ جگر کے ساتھ اک یہ بھی سہی
درد الفت کیوں کہیں جائے مرے دل میں رہے

خانقہ سے بزم رنداں میں اب آئے ہیں شہیر
پہلے تو اللہ والوں ہی کی محفل میں رہے

۱۵- اکتوبر ۱۹۱۱ء

وہ ناتواں ہوں کہ باعثِ آزار سانس ہے — تارِ نفس مری رگِ گردن پہ پھانس ہے

اس بے پری پہ آہ اسیرِ قفس بھی ہوں — صیادِ سنگدل کی یہ سب کاٹ پھانس ہے

بیکس مریضِ ہجر کا پرساں نہیں کوئی — بس آنے جانے والی اگر ہے تو سانس ہے

نیرنگِ عشق یہ ہے کہ اضداد جمع ہیں — کیا نالہ ہائے گرم ہیں کیا ٹھنڈی سانس ہے

حالت مریضِ ہجر کی اب پوچھتے ہو کیا — ساقط ہے نبض جسم میں ہے صرف اکھڑی سانس ہے

دنیا سنائے فلسفۂ زندگی ہزار — ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ ہے سو سانس ہے

عشقِ مژہ کی دل سے خلش جا چکی شہیر
نکلے وہ کس طرح جو کلیجہ کی پھانس ہے

۱۲- نومبر ۱۹۱۱ء

لبِ سوفار جو سرگوشیاں کرتا ہے قاتل سے — وہ کہہ دیتا ہے سب پیکانِ تیر آ کر مرے دل سے

نہ نکلا کام کوئی مرتے دم بھی نالۂ دل سے — لہو میں ڈوبی ہاں اک آہ نکلی وہ بھی مشکل سے

اگرچہ کام لیتا قیس اپنے جذبۂ دل سے — نکل آتی تڑپ کر آپ لیلیٰ اپنی محمل سے

لحد سے عرصۂ محشر کو طے کرنا قیامت ہے — کہیں یہ دوسری منزل کڑی ہے پہلی منزل سے

نہیں آساں ارے دل صاف ہونا تجھ سے زلفوں کا — جو گتھی پڑ گئی ہے وہ ذرا سلجھے گی مشکل سے

اگر کوئی تمنا بھی بر آئی اے فلک تو کیا — ہزاروں حسرتیں ایسی ہیں جو نکلی نہیں دل سے

غم و اندوہ و درد و داغ و یاس و حسرت و حرماں — یہ اتنے بیکسوں کی پرورش ہے اک مرے دل سے

بتا اے بید مجنوں کیا ہوا سایہ نشیں تیرا
بہت روتی ہے سر ٹکر کے لیلی جو ہب محمل سے

دوئی کا اٹھ گیا پردہ تو پھر جلوہ ہی وحدت کا
تقرب ہو گیا حاصل جہاں دل مل گیا دل سے

تلاش یار میں پروا نہیں طول مسافت کی
مرے پائے طلب تھکتے نہیں دوری منزل سے

سوا اللہ کے کوئی سمجھتا ہے نہ سنتا ہے
زبان بے زبانی میں جو باتیں ہوتی ہیں دل سے

طبیعت میل ہی کھاتی نہیں ظاہر پرستوں میں
شہیر اس سے میں ملنا چاہتا ہوں جو ملے دل سے

۱۔ اپریل ۱۹۴۰ء

اقرار وصل کر کے وہ انکار کر گئے
دیگر زبان۔ قول بدل کر مکر گئے

اتنک پھر انہ کوئی۔ کئی نامہ بر گئے
کم بخت سب کے سب وہاں جا جا کے مر گئے

وہ میرے گھر سے وقت طلوع سحر گئے
تڑکا ہوا جو نور کا اندھیر کر گئے

بے سود زندگی ہے جوانی نہ جب رہی
جو حاصل حیات تھے وہ دن گذر گئے

آتے ہی جلدی پڑتی ہے جانے کی بھی انہیں
حالت یہ ہوتی ہے ادھر آئے ادھر گئے

غم اپنے قتل کا نہیں اس کا خیال ہے
ناحق ہمارے خون میں ہاتھ ان کے بھر گئے

پوچھی جو ان سے خیریت حضرت شہیر
فرمایا ہنس کے۔ سنتے ہیں بیچارے مر گئے

آغوش شوق میں جو دبایا مزار نے
لطف وصال یار دکھایا فشار نے

کیا ضبط آہ و اشک کیا خاکسار نے
روکا ہے آندھی پانی کو مشت غبار نے

پانی سے اور آتشِ گل تیز ہو گئی ۔۔۔ بھڑکائی آگ آتشِ ابرِ بہار نے

ظاہر ہوئے پائیں سیہ کاریاں مری ۔۔۔ کیں خوب پردہ پوشیاں شب ہائے تار نے

سجدہ قبول کر کے جبینِ نیاز کا ۔۔۔ کیا سر بلند مجھ کو کیا پائے یار نے

دکھ درد میں نہیں ہے کسی کا کوئی شریک ۔۔۔ چھوڑا ہے دل کا ساتھ شکیب و قرار نے

اندھیر کر رہے ہیں شبِ وصل آپ بھی ۔۔۔ بیٹھے ہیں آدھی رات کو زلفیں سنوارنے

دیتے ہی دل بنا نہ کوئی بس چلا شہیر
بے اختیار کر دیا ۔ با اختیار نے

۳۰ ۔ اگست [illegible]ء

فلک نے رہگذرِ یار میں فنا کر کے ۔۔۔ مٹایا خاک نشینوں کو نقشِ پا کر کے

وہ کام ۔ قیس مرا جس کی ابتدا کر کے ۔۔۔ اب اُس کو میں نے دکھایا ہے انتہا کر کے

مریں گے ہم دل و جاں آپ پر فدا کر کے ۔۔۔ قضا کریں گے محبت کا فرض ادا کر کے

کمی وفا میں نہ کی وعدۂ وفا کر کے ۔۔۔ دکھا دیا عملاً منہ سے جو کہا کر کے

پہنچتی ہے گلِ عارض کی دور تک خوشبو ۔۔۔ وہ بیٹھتے ہیں جو رخ جانبِ ہوا کر کے

بہم اخیر ضعیفی میں آئی یادِ خدا ۔۔۔ نماز صبح پڑھی تو مگر قضا کر کے

بتوں نے کر دیا بے آس آسرا دے کر ۔۔۔ بتوں سے ہو گئے بے آس آسرا کر کے

نمود پائی تھی دم بھر کی وہ بھی نقش بر آب ۔۔۔ حباب ٹوٹ کے ہوا خواہی ہوا کر کے

بڑے شفاعت و رحمت کے لوٹے محشر میں ۔۔۔ گناہگار ہی اچھے رہے خطا کر کے

نکال دل سے نہ پیکانِ تیرِ او بیداد ستا نہ گوشت سے ناخن کو یوں جدا کر کے

نتیجہ کیا ہے پرستاریِ بتاں کا شہیر

بہشت نہ حور نہ تو طاعتِ خدا کر کے

جس میں ہے لطفِ زیست وہ اپنی ممات ہے خونابۂ جگر مجھے آبِ حیات ہے

دنیا میں کس کو قیدِ فنا سے نجات ہے دامِ بلائے مرگ میں مرغِ حیات ہے

دکھلا رہا ہے جلوۂ ابروئے ماہِ عید اہلِ نجوم جانتے ہیں چاند رات ہے

ظاہر پیامِ یار اُسے کس طرح کروں جو خاص اُنکے کان میں کہنے کی بات ہے

جاہل کو قدر کیا ہو فروغِ کلام کی اندھے کے آگے دن بھی اگر ہو تو رات ہے

دیتے نہیں اجازتِ اظہارِ حال وہ سنتے نہیں سمجھتے ہیں مطلب کی بات ہے

گریاں ہیں ساتھ ساتھ جنازے کے اقربا دولھا ہے خوابِ مرگ میں روتی برات ہے

اک بوریائے فقر ہے دو گز زمین پر میری یہی بساط یہی کائنات ہے

یہ دیکھنا ہے کون وہ ایسا ہے خوش نصیب جس پر حضور کی نظرِ التفات ہے

زاہد کے اتقا و عبادت میں ہے ریا واللہ سب نمائشی صوم و صلوٰۃ ہے

موئے سفید پر ہی سیہ کاریاں رہی پیری کی صبح مجھکو جوانی کی رات ہے

گھیرے میں نیستی کے ہے ہستیِ بے بقا دورِ فنا میں دائرۂ کائنات ہے

مسرورِ وصل کوئی۔ کوئی غم نصیبِ ہجر کیفیتیں تو دو ہیں۔ مگر ایک رات ہے

دنیائے شاعری میں ہے شہرت شہیر کی ہاں اُسکی عمر بھر کی یہی کائنات ہے

سنہ ء

حشر میں بھی بیکسی مجھ پر رہی چھائی ہوئی
دید اس مجمع میں بھی تجھ سے شناسائی ہوئی

تھی نگاہ شوق پہلے ہی سے للچائی ہوئی
باعث تحریک اور اس بت کی انگڑائی ہوئی

عمر سب اپنی جو صرف بادہ پیمائی ہوئی
مر کے تربت سبزۂ مرقد سے مینائی ہوئی

یہ اکڑاوٹ کی ادائیں کوئی ان سے سیکھ جائے
شوخ چتون اور اس پر آنکھ شرمائی ہوئی

جان کی سر کی خدا کی دین کی قرآن کی
جھوٹی جھوٹی سب قسمیں انکی ہیں کھائی ہوئی

ترک یاروے جوانی میں بہت دشوار ہے
رک نہیں سکتی طبیعت جوش پر آئی ہوئی

گلشن عالم میں سب افسردہ دل ہیں جن میں ہم
باغ بھر میں اک کلی ہے صرف مرجھائی ہوئی

۱۳- اپریل سنہ ۱۹ ء

شہید ناز کا دم تیغ ہی کیا صرف بھرتی ہے
شہادت جان دیتی ہے عروس مرگ مرتی ہے

نگاہ ناز قاتل - اپنا پورا وار کرتی ہے
وہ کیا جانے اسے دل پر کسی کے کیا گزرتی ہے

مسیح و خضر کے جینے پر آتا ہے عجب مجھ کو
کہ انکی بے مزے معشوق کے کیونکر گزرتی ہے

خموشی بھی تری تصویر کی اے بت ہے گویائی
زبان بے زبانی میں یہ سب باتیں کرتی ہے

محبت دلنواز دل ہے دل دلدادۂ الفت
یہ اسکو پیار کرتا ہے وہ اسکو پیار کرتی ہے

یونہیں اک تو کلیجہ غم سے روتے روتے پانی ہے
تری یاد اس پر آ کر اور دل کو خون کرتی ہے

صلاح ان ناصحوں کی میں نہ مانوں گا نہ مانوں گا
گزرنے دیں مری جیسی گزرتی ہے گزرتی ہے

تمہارے چشم جادو فن میں ہے معجز نمائی بھی | عجب بیمار ہے یہ جو مسیحائی بھی کرتی ہے
طبیعت رہتی ہے آٹھو پہر گھبرائی گھبرائی | نہ بہلائے بہلتی ہے نہ ٹھہرائے ٹھہرتی ہے
کلیجہ منہ تک آ جاتا ہے ہچکی جو ہے آتی | بہت بے چین رونے میں کسی کی یاد آتی ہے
کبھی اک بات پر قائم نہیں رہتی زباں انکی | جو کل اقرار کرتی ہے تو آج انکار کرتی ہے
محبت ہمدم دل ہے نکل سکتی نہیں دل سے | یہ دل کی زندگی جیتی ہے دل کی موت آتی ہے

شہیر تشنہ کام عشق کی اب ہے ردی حالت
گلے سے بوند بھی پانی کی مشکل سے اترتی ہے

۱۱ر جولائی سنہ ۱۹ء

کبھی حاصل نہ دید دلبر پردہ نشیں ہوتی | نگاہ شوق اگر دل میں نہ اتنی دوربیں ہوتی
بدلتے قول تجھکو دیر کیا لے نازنیں ہوتی | نکل کر دل سے منہ تک آتے آتے ہاں نہیں ہوتی
پرستاری بتوں کی قوت ایمان و دیں ہوتی | یہی زنار کچے دھاگوں کی حبل المتیں ہوتی
نہ دیدوں کس طرح اہل نظر سب لوٹ پڑتے ہیں | کریں کیا نعمت دیدار سے سیری نہیں ہوتی
جفائے آسماں سے تنگ تھے جا کر وہیں بستے | نہ ہوتا یہ فلک جس جا زمیں ایسی کہیں ہوتی
سمجھتے ہیں جسے قاتل اسی پر ہائے مرتے ہیں | محبت میں یہ سچ ہے جان تک پیاری نہیں ہوتی
یہ اچھا تھا کہ تم پر آنکھ پڑتے ہی اجل آئی | وہی پہلی نظر میری نگاہ واپسیں ہوتی
مزہ جب تھا کہ ہم تم دونوں ملکر ایک ہو جاتے | نہ تفریق من و تو اور نہ بحث آں و ایں ہوتی
کبھی تو دلبری سے آپ رکھ لیتے مرے دل کو | کبھی تو شادماں یہ خاطر اندوہگیں ہوتی

اگر آواز دیتے آپ میری عمرِ رفتہ کو — وہیں سے دوڑتی لبیک کہتی گو کہیں ہوتی
جو آنسو پوچھنے کو آپکا دامن ہاتھ آجاتا — تو کیوں یہ چشمِ تر منت پذیرِ آستیں ہوتی
ازل میں جس جگہ تقدیر بٹتی تھی رقیبوں کی — ہماری کاش یہ کمبخت قسمت بھی وہیں ہوتی

قوافی نے مجھے پابندیِ ترکیب لازم تھی
شہیر آزاد کیونکر طبعِ مضموں آفریں ہوتی

بقیدِ یک قافیہ

جو طوفاں جوشِ چشمِ عاشقِ اندوہگیں ہوتی — بڑھی دریائے دامن سے بھی موجِ آستیں ہوتی
اگر گلکاریاں کرتیں نہ چھینٹیں خونِ بسمل کی — تو اے قاتل نہ تیری یہ بہارِ آستیں ہوتی
پھٹے جاتوں اگر رہتے نہ اپنی تنگ دستی سے — تو کیوں ہر وقت فکرِ چاکِ جیب و آستیں ہوتی
شہیدِ آخر جو ہونا ہی تھا اک دن دستِ قاتل سے — درازیِ حیات اپنی بقدرِ آستیں ہوتی
جگر پہ ہاتھ پڑ جاتا اگر بھرپور قاتل کا — شگافِ زخم میں ترکیبِ چاکِ آستیں ہوتی
عدوے جیب و دامن پنجۂ وحشت نہ بن جاتا — اگر دستِ جنوں سے دوستیِ آستیں ہوتی
اڑاتا دھجیاں دستِ جنوں جب جیب و دامن کا — تو پھر کس طرح امیدِ بقائے آستیں ہوتی
جو میں دستِ سبو پر بیعتِ پیرِ مغاں کرتا — مری تردامنی خود دستِ بیعِ آستیں ہوتی

شہیر افسوس ہے پابندیِ عطف و اضافت سے
نہیں تو اور کچھ بندش میں شانِ آستیں ہوتی

۱۴۔ ستمبر سنہ ۱۶ء

رنگ رخ جتنا اڑایا عشق کی تاثیر نے — لے لیا کچھ آپ نے کچھ آپ کی تصویر نے

گریۂ بے صرفہ پر ہنس ہنس کہا تقدیر نے — آبروئے سعی کھوئی دعوئ تدبیر نے

رازِ تنگی و معمائے دہن سب کھل گیا — بات کھوئی بے زبانی کی لب تقریر نے

دور تھا گو لاکھ گھر وعدے پہ آتے وہ ضرور — پھیر میں رستہ کے ڈالا گردش تقدیر نے

ماہی بے آب دل ہے۔ دل میں موج اضطراب — جا نہیں کیا سو کھی سنائی خنجر و شمشیر نے

جلوۂ صد رنگ حسن و یک نگاہِ شوق عشق — محو صورت کر دیا نظارۂ تصویر نے

پاؤں کیا وحشت نکالے وسعت صحرا کہاں — تنگ کر رکھا ہے قید خانۂ زنجیر نے

میری بیماری میں مجھ سے بڑھ کے نفرت تھی اسے — منہ دواؤں کو لگایا ہی نہیں تاثیر نے

مطلب دل اس بت خود کام سے کہنا نہ تھا — سب بگاڑا کام بے تدبیری تدبیر نے

ہتکڑی نے دست بوسی کا شرف حاصل کیا — پاؤں چومے وحشیوں کے حلقۂ زنجیر نے

وار پہ تھا وار جب تک جان مجھ میں تھی شہیر
کرچکی بیدم تو آخر دم لیا شمشیر نے

۱۵۔ ستمبر سنہ ۱۹ء

کام کچھ نکلا نہ فکر و کوشش و تدبیر سے — سعی لاحاصل نے ہنسوایا مجھے تقدیر سے

لے تو آئے ہیں انھیں ہم راہ پر تدبیر سے — چلتے فقروں کی مگر چل جائے جب تقدیر سے

اسکے مارے نیند بھر سونے نہیں پاتے حسین — ہے گلہ مجھ کو بھی اپنے نالۂ شبگیر سے

اے معبّر میں نے خواب وصل دیکھا ہے مگر
فکر ہے اندیشۂ برعکسیِ تعبیر سے

حسن اُدھر صبر آزما ہے عشق اِدھر ہے ناشکیب
ناز کو جلدی سے نفرت شوق کو تاخیر سے

دیکھنے میں سب کو دیکھے پھر نہ کچھ آئے نظر
دیکھنا لے چشمِ حیرت سیکھ لے تصویر سے

دل لگے تاڑے دیکے اُنکی کمسنی کی ضد یہ ہے
ہم نہ مانینگے اسے جوڑو کسی تدبیر سے

چابتے ہیں بستگانِ زلف لوہے کے چنے
پالتے ہیں پیٹ اپنا دانۂ زنجیر سے

جمع ہو جانا خیالاتِ پریشاں کا ہے خواب
کام شوریدہ سروں کو کچھ نہیں تعبیر سے

داغِ دل داغِ جگر ہی میری قسمت میں تھے بس
چن لئے دو پھول میں نے گلشنِ تقدیر سے

ہاں بدل جاتا ہے اُس شکلِ مثالی سے خیال
جی بہل جاتا ہے کچھ نظارۂ تصویر سے

خط کی پیشانی مری لوحِ جبیں سے کم نہیں
آپ کی تحریر ملتی ہے خطِ تقدیر سے

ہے اگر شرمِ سیہ کاری تو نادم ہو کے رو
منہ کی کالک دھو شہیر اس آخری تدبیر سے

۱۴۔ دسمبر سنہ ۹ء

جو ہنستے بولتے تو شرحِ آرزو کرتے
بتوں سے کس طرح اللہ گفتگو کرتے

ہلاکِ حسرتِ مرگ تو لے اجل ہوتے
جو اور جیتے تو مرنے کی آرزو کرتے

نماز پڑھنی تھی محرابِ تیغِ قاتل میں
نہ اپنے خون سے کس طرح ہم وضو کرتے

جو دیکھ لیتے دلِ باوفا کے داغوں کو
تو گل چمن میں نہ دعوئ رنگ و بو کرتے

مخالفت میں بھی گردوں کی کام بن جاتا
کہ ہم خلافِ تمنا کے آرزو کرتے

نہ سنتے ایک بھی یہ دوستی کی خوبی تھی — ہزار قسم سے برائی مری - عدو کرتے

حضور جھوٹ کی تاویل تا کجا - آخر — کہاں تلک آپ کی باتوں میں ہم رفو کرتے

نہ پونچھتے کبھی آنچل سے تیر گئے آنسو

شہیر وہ جو مرا پاس آبرو کرتے

۲۵- جنوری سنہ ۳۲ء

دل کو عزیز تیرے سے الفت نہیں رہی — تیرے سوا کسی سے محبت نہیں رہی

نالوں سے گھر میں - گھر کی وہ حالت نہیں رہی — دیواریں اب ہیں صرف کھڑی چھت نہیں رہی

اے باغباں ہائے یہ کیسی ہوا چلی — گلشن میں رنگ - پھولوں میں نکہت نہیں رہی

کوچہ میں انکے ٹھوکریں کھا کھا کے مٹ گئی — دنیا وہ دیں کہیں کی قیامت نہیں رہی

سفاکیوں سے آپ کی یہ کام بڑھ گیا — دم لینے تک کی موت کو فرصت نہیں رہی

صورت ہماری ہو گئی صورت سوال خود — کچھ اپنے منہ سے کہنے کی حاجت نہیں رہی

اپنے سے بدتر اوروں کی تقدیر دیکھکر — مجھ کو کوئی شکایت قسمت نہیں رہی

کب آئے نزع میں وہ عیادت کیواسطے — جب سانس لینے کی مجھے مہلت نہیں رہی

جس سے ہوا نہ ہو ترے عاشق کا سامنا — دنیا میں ایسی کوئی مصیبت نہیں رہی

تا وقت واپسیں تھے سب ارمان اے شہیر

جب دم نکل گیا کوئی حسرت نہیں رہی

نور کمال عشق سے ظلمت نہیں رہی — آلودۂ مجاز حقیقت نہیں رہی

مخصوص اُن کے آنے کی ساعت نہیں رہی
پابندِ روز و وقت قیامت نہیں رہی

تصویرِ یار شیشۂ دل میں اُتار لی ہے
عکاسیِ خیال کی حاجت نہیں رہی

رویا کریں رقیب اپنے نصیب کو
مجھ کو تو کچھ شکایتِ قسمت نہیں رہی

میں کامیاب ہو کے بھی ناکام ہی رہا
حسرت یہ ہے کہ اب کوئی حسرت نہیں رہی

کہتے ہیں مجھ سے آ کے قریب اُن کے تم رہو
دوری کی تم کو اب تو شکایت نہیں رہی

جب تک تھی جان روز مصیبت میں جان تھی
مرنے کے بعد کوئی مصیبت نہیں رہی

آنکھیں فروغِ جلوۂ معنی سے کھل گئیں
اب وہ نظر فریبیِ صورت نہیں رہی

دل پھنس گیا فریبِ محبت میں کیا کریں
تمیزِ دوستی و عداوت نہیں رہی

جوشِ جنوں میں کب مری دیوانگی شہیر
خضرِ طریقِ وادیِ وحشت نہیں رہی

۲۲۔ فروری سنہ ۲۰ء

جنونِ عشق میں عقل و خرد میں نے کہاں رکھ دی
دہن میں وائے ننگ و نام بھی اے جانِ جاں رکھ دی

کلی کیا بے کھلی لا کر میانِ آشیاں رکھ دی
مرا گھر پھونکنے کو تو نے آگ اے باغباں رکھ دی

طلوعِ مہرِ عالمتاب کا سب کو ہوا دھوکا
کھلی تصویر تیری شب جو زیرِ آسماں رکھ دی

سلگ کر ہائے جو اندر ہی اندر تا جگر پہونچی
یہ کیسی آگ تو نے دل میں اے سوزِ نہاں رکھ دی

بجائے کوئے قاتل لائے کیوں گورِ غریباں میں
ہماری لاش لوگوں نے یہاں لا کر کہاں رکھ دی

دلِ سوزاں کو اپنے چھوڑ آئے بزمِ جاناں میں
جگہ اس شمع کے لائق جہاں پائی وہاں رکھ دی

پڑھائی مکتبِ الفت میں ایسی عشق نے پٹی — اٹھا کر طاقِ نسیاں پر گلستاں بوستاں رکھ دی
نظر آتا نہیں رستہ عدم کے جانے والوں کو — کمر سے کھول کر تلوار قاتل نے کہاں رکھ دی

ادائے ناز سے لیکر مرا دل ہنس کے فرمایا — امانت پھر نہیں ملتی اُسے جس نے یہاں رکھ دی
فغاں میں اسقدر گرمی لبوں پہ آتی سرد آہیں — غضب کی تو نے لاگ اے نالۂ شعلہ نشاں رکھ دی

نظر جس جا شہیر اُس بت کا نقشِ پائے ناز آیا
نیازِ شوق میں میں نے جبیں اپنی وہاں رکھ دی

کثرت ہی سے وحدت کا جلوا نظر آتا ہے — وہ لاکھ حسینوں میں یکتا نظر آتا ہے
او حسن ترا جلوہ ہر جا نظر آتا ہے — پردہ میں بھی تو پردہ آرا نظر آتا ہے
جو پردۂ باطن میں ہے محوِ خود آرائی — عکس آئینۂ دل میں اس کا نظر آتا ہے
جب آپ کی کھچتی ہے تصویر تصور میں — صورت گر اصلی کا نقشا نظر آتا ہے
کیا شہر خموشاں میں ارزاں ہے گراں خوابی — ہر وقت جسے دیکھو سوتا نظر آتا ہے
خط کہتا ہے تو جس کو اے نامہ برِ جاناں — یہ تو مری قسمت کا لکھا نظر آتا ہے
ہے صورت و معنی میں تمیز جسے حاصل — نیرنگ شہود اس کو دھوکا نظر آتا ہے
ہوتی ہے جراحت کی بھی نشو و نما دل میں — جو زخم تھا گہرا اب اُبھرا نظر آتا ہے
کیا ٹوٹ کے گرتی ہے للچائی ہوئی توبہ — جس وقت بھرا جام صہبا نظر آتا ہے
یہ جذبِ تصور ہے یا وہم کی خلاقی — ہر دم کوئی پہلو میں بیٹھا نظر آتا ہے
اک حسن کے منظر میں لاکھوں ہی مناظر ہیں — ناظر کو خدا جانے کیا کیا نظر آتا ہے

جو بحر حقیقت میں ہیں غوطہ زن عرفاں
قطرہ میں شہیر انکو دریا نظر آتا ہے

حسن قدرت کا مرقع وہ شبیہ ناز ہے
قدرت خاموش کی ہمراز و ہم آواز ہے

بزم میں رہتا شمع۔ پروانوں کی جو پرواز ہے
یہ بھی اُسے سوز محبت کوئی تیرا ساز ہے

سب سے پہلے جو پڑی تھی کان میں روز الست
آج سنتا ہوں تو لے بت وہ تری آواز ہے

دیر کی بھی سیر کر لے آکے اے شیخ حرم
یہ بھی تو آخر کسی بت کا حریم ناز ہے

حوصلے ہیں خاکساران محبت کے بلند
جانب خورشید تاباں ذروں کی پرواز ہے

میرے ہوتے غیر کے دل کا نشانہ اُڑ گیا
تیر افگن ہے مگر قاتل غلط انداز ہے

صبر سمجھاتا ہے چپ کی داد دیگا دادرس
وجہ یہ ہے جو مری فریاد بے آواز ہے

دل کو ہے صورت گر اصلی کی صورت سے لگاؤ
مجھکو ہے اس سے محبت جو محبت ساز ہے

ضعف میں کیا منہ سے نکلیں نالہ ہائے دل شہیر
پاسبان حلق تو بیٹھی ہوئی آواز ہے

گرمیٔ حسن بڑھائی یہ خود آرائی نے
تاب کیا دیکھ سکیں منہ جو ترا آئینے

سونے دم بھر نہ دیا حسرت یکجائی نے
نیند آنکھوں سے اُڑا دی شب تنہائی نے

کر دیا قد کو قیامت سے بھی دو ہاتھ بلند
لطف رعنائی دو بالا کیا انگڑائی نے

پاؤں پڑ سکتے نہیں سنگ در جاناں پر
پھرے بٹھلا دئے ہیں داغ جبیں سائی نے

جلوۂ حسن ازل سے ہے دو عالم معمور
شان کثرت میں دکھائی ہے یہ یکتائی نے

سوز الفت سے جگر کو بھی نہ رکھا محروم — پایا ہمدرد جو اپنا دل شیدائی نے

ہاتھ سے چھوٹ گیا دامن جاناں جو شہیر
اپنا منہ پیٹ لیا دست تمنائی نے

کوشش بے سود ہیں سب آہ بے تاثیر کی — ساتھ تقدیر کے چلتی نہیں تدبیر کی
تم نے کیا پھیری نظر مجھ سے زمانہ پھر گیا — آنکھوں کی گردش ہے یا گردش تھی یہ تقدیر کی
ہم دکھاتے قید وحشت میں اگر زور جنوں — ایک ہی جھٹکے میں کڑیاں ٹوٹتیں زنجیر کی
کھینچ ہی لائی کمند جذب الفت آپ کو — سلسلہ جنبانی دیکھی آہ پر تاثیر کی
مار کر تیر نگاہ ناز غافل سو گیا — صید افگن نے خبر بھی کچھ نہ لی نخچیر کی
سینہ و پہلو سے بھی قلب جگر کو لے اڑا — آج دیکھی قوت پرواز اسکے تیر کی

بولتے ہیں منہ سے گویا پھول جھڑتے ہیں شہیر
واہ وا کیا بات ہے انکے لب تقریر کی

۱۶ - جولائی ۱۹۰۹ء

رات یوں وعدے کی ٹالی جائیگی — پاؤں میں مہندی لگالی جائیگی
نیلے ڈورے ہی ابھی ڈالے رہو — کان میں مشکل سے بالی جائیگی
ہو گیا موقوف رنگ عاشقی — اب نہ چہرے کی بحالی جائیگی
دیکھو تم آئینہ خانہ میں نہ جاؤ — ورنہ شان بے مثالی جائیگی
ہر گھڑی جو ہو رہی جاتی ہو نڈھال — وہ طبیعت کیا سنبھالی جائیگی

کب چھپایا تم سے چھپے گا داغ عشق — چاند پہ کیا خاک ڈالی جائیگی
آتے آتے آئی جوانی آئے گی — جاتے جاتے خورد سالی جائیگی

اب کے کیا توبہ نہ ٹوٹے گی شہیر
یہ بھری برسات خالی جائیگی

اک پری جان حزیں ہے نام کو جو تن میں ہے — اک تن لاغر سو وہ جو ہے سو پیراہن میں ہے
کیوں کھنچے آ رہے ہیں مجھکو مرقد میں نظر — ان فرشتوں کی بھی نیت کیا مرے مدفن میں ہے
لاغری سے میں ہیولیٰ پیکر فرضی کا ہوں — صرف اک جسم خیالی میرے پیراہن میں ہے
اس کے جلوے کے ہیں طالب پاکبازان نگاہ — اے کلیم آئینہ حسن کا وادی ایمن میں ہے
حسن یوسف سے نہیں کچھ کم کنہیا کا بھی روپ — اسکا جلوہ مصر میں ہے اسکا بندرابن میں ہے
موت نے اللہ ڈالا ہے یہ کیسا تفرقہ — روح جنت میں تن بیجان مرا مدفن میں ہے

جوش سبزہ سے مری تربت پہ ہے مینائی شہیر
صاف وضع و ہیئت خم گنبد مدفن میں ہے

متفرقات

رشک صد ماتم کدہ ہر ایک میخانہ ہوا — آج کس میخوار کا لبریز پیمانہ ہوا
سنتے سنتے داستان غم انھیں نیند آگئی — میری بیتابی کا قصہ ان کو افسانہ ہوا
وحشت الفت جوانی میں زیادہ بڑھ گئی — ہوش کیا میں نے سنبھالا اور دیوانہ ہوا

کام جادو سے بت سحر نظر لیتے ہیں — آنکھوں آنکھوں ہی میں گھر دل میں کر لیتے ہیں
ہو گی اب اچھی طرح خانہ خرابی میری — کوچۂ غیر میں سنتا ہوں وہ گھر لیتے ہیں
نقدِ جاں دینے کو تیار ہیں ہم قیمت میں — کوئی بیچے تو محبت کی نظر لیتے ہیں

ہچکیاں نزع میں لیتے ہیں جو مرنے والے — وہ سمجھتے ہیں ہمارا یہ گلا کرتے ہیں
دیر بیداد میں ہوتی ہے تو آزارِ طلب — الٹے خود جور نہ کرنے کا گلا کرتے ہیں
رہتا ہے پیشِ نظر عالم تصویرِ خیال — ہم تصور میں انھیں دیکھ لیا کرتے ہیں
لیتے ہیں دستِ عقیدت سے بتوں کے جو قدم — اپنے ہاتھوں کو بھی ہم چوم لیا کرتے ہیں

ٹھنڈک ابھی پڑ جائے کلیجہ میں ہمارے — سرد آہ جو آئے دلِ دشمن سے نکل کر
دل میرا نہ ہوتا تو کسی شوخ کا جلوہ — پاتا نہ جگہ وادیِ ایمن سے نکل کر

بزمِ جاناں میں یوں ہے آمد و رفت — ہنستے جاتے ہیں روتے آتے ہیں
دمبدم دیکھتے ہیں جانبِ دل — تیر پر تیر وہ لگاتے ہیں
ہم تو کہتے ہیں حالِ دل رو رو — آپ سُن سُن کے مسکراتے ہیں

عاشقِ گیسو ہوں میرا دم نکلنے دیجئے — اک بلا ٹلتی ہے سر سے اسکو ٹلنے دیجئے

دیکھئے بحر جہاں میں عالم طوفان نوح — دیدۂ پر آب سے آنسو نکلنے دیجئے
آپ کے رنگ تغافل میں نہ دم بھر فرق آئے — پھر گھڑی غم سے مری صورت بدلنے دیجئے

ہمیشہ حسن جوانی کی آب و تاب رہے — خدا کرے ترا لاکھوں برس شباب رہے
لحد میں بھی جگر و دل کے داغ کام آئے — تہ زمیں بھی یہ مہتاب آفتاب رہے
شہیر ہوش میں اب آؤ وقت پیری ہے — ارے بہت دنوں مست مئے شباب رہے

دعوئ حسن میں کیا تم نے اٹھا رکھا ہے — انتہا ہے کہ خدا خود کو بنا رکھا ہے
جز و دیں اے بت کافر ہے محبت تیری — دل میں ایمان کے مانند چھپا رکھا ہے
دو نہ دو وصال مگر اتنا بتا دو مجھکو — کھو دیا تم نے کہیں یا مرا دل رکھا ہے

واللہ نہیں اور غرض کوئی دوا سے — اے بت تجھے ہم مانگتے ہیں اپنے خدا سے
بڑھتا ہے مرض عشق کا تدبیر شفا سے — چڑھتا ہے بخار اور مجھے نام شفا سے

گیسوئے پیچاں ہوا سے انکے برہم ہو گئے — میرے اسباب پریشانی فراہم ہو گئے
روز شب روتے ہی گزرا ہم کو یہ پورا برس — سال کے بارہ مہینے سب محرم ہو گئے
آنسوؤں سے سوزش داغ جگر باقی رہی — اشک حسرت داخل اجزائے مرہم ہو گئے

ہمارے خونِ ناحق کا بھی وہ خوں بہا دینگے | دکھانیکو لحد پر آکے چار آنسو بہا دینگے

کبھی پوچھا کسطرح مرتے ہیں کیونکر جان دیتے ہیں | رہے زندہ تو اسکو بھی ہمیں مر کر دکھا دینگے

بتا دینگے نہ اپنے منہ سے ہم کچھ وجہ حیرانی | مگر چپکے سے آئینہ انھیں لا کر دکھا دینگے

قضا جیسا انھیں کہتے ہیں ایسے مار ڈالینگے | سزا [illegible] مجھکو ہٹا دینگے بٹھا دینگے

کرینگے بند منہ محشر میں کیونکر داد خواہوں کے | گلا میری طرح کس کس کا آخر وہ دبا دینگے

حسنِ نورِ نظر حسن کی تنویر میں ہے | جلوۂ جوہرِ بینش تری تصویر میں ہے

الفتِ زلفِ حسیناں دلِ دلگیر میں ہے | دلِ دلگیر مرا زلفِ گرہ گیر میں ہے

نقش ثانی ہے اسی وجہ سے لاثانی ہے | تجھ میں وہ بات نہیں جو تری تصویر میں ہے

کسطرح دل سے گزر جاتی ہے قاتل کی نظر | نہ تو سوفار نہ پیکاں ہی اس تیر میں ہے

دوست دشمن کی بھی پہچان نہیں جب دمِ قتل | آنکھ پھر خاک ترے جوہرِ شمشیر میں ہے

دل سے دشمن کو نہ اپنے دوست رکھوں کسطرح | جسکو تم چاہو مجھے اس سے محبت کیوں نہو

دامنِ قاتل زبانِ تیغ ہیں دونوں گواہ | خونِ ناحق میں مرے انکی شہادت کیوں نہو

روز بن بن کر بگڑتے ہی ہیں ہے کچھ آن اگر | تو تمھاری زلف پیچاں میری قسمت کیوں نہو

یہ کس ظالم کا نقشِ پا مری خاکِ لحد پر ہے | کہ ہر اک ذرہ میں تابندگیِ مہرِ محشر ہے

دلِ مایوس میں جو ظاہر ہے مجموعۂ حسرت
اسی کے ذرّوں میں رازِ پریشانی بھی مضمر ہے
میں جوشِ بیخودی سے اپنے آپے میں نہیں رہتا
تمھارا میرے پاس آنا نہ آنے کے برابر ہے

چھڑاؤں کس طرح دامنِ وفا کو قلبِ مضطر سے
جدا ہونا عرض کا جب کہ ناممکن ہے جوہر سے
ہنر سے قدرِ اربابِ ہنر ہوتی ہے دنیا میں
اصالت تیغ کی ہوتی ہے ظاہر اپنے جوہر سے
بُرا ہو ناتوانی کا وہ آئے ہیں عیادت کو
پئے تعظیم لیکن اُٹھ نہیں سکتا میں بستر سے
محبت آپکی یہ کہہ کے دل میں جم کے بیٹھی ہے
نکالے لاکھ کوئی میں نہ نکلونگی اس گھر سے
طلسمِ رنگ و بوئے گل ہو یا جوشِ جوانی ہو
زیادہ کیا بہار ان دنوں کی ہستی ہے شب بھر سے

آج آبِ دمِ شمشیر کی طغیانی ہے
کوئے قاتل میں شہیدوں کا لہو پانی ہے
تم نہ سن سکتے ہو اتنا نہ میں کہہ سکتا ہوں
ماجرائے شبِ غم قصۂ طولانی ہے

شبِ بلا داغِ آتشیں سے بھی تیرگی میں کمی نہیں ہے
کیسا اندھیر میرے گھر ہے کہ چاند ہے چاندنی نہیں ہے
جسکو رکھا ہے بیچ میں تمنے پھولونکا ہار گوندھنے میں
یہ مجھ شہیدِ وفا کا دل ہے کسی چمن کی کلی نہیں ہے

اِدھر اُدھر جتنے تھے پتنگے غریب آ آ کے جل مرے سب
مگر شبِ غم ابھی ہے باقی کہ شمع پوری جلی نہیں ہے

غزل در وفات فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی خلد آشیانہ

لب پر کیوں نالۂ و فغاں ہے
کیوں اشک غم آنکھوں سے رواں ہے

دامن سے رنگِ غم عیاں ہے
خوناب دل آنکھوں سے رواں ہے

جنت میں داغ خاک پر ہم
اب فرق زمین و آسماں ہے

ہے نیستی ہستی جہاں سب
در اصل نہیں ہے جو یہاں ہے

ہے باغِ جناں میں بلبل ہند
ہاں اب فردوس آشیاں ہے

اے ملک عدم کے جانے والے
اللہ ترا انگا یہاں ہے

برسوں سے چھپا تھا دل میں جو درد
بن کر وہی داغ اب عیاں ہے

ویرانہ نشاں مکان ہو کا
وہ جا ہے جہاں جہانِ جاں ہے

کہتے تھے فصیح ملک جس کو
وہ بلبل ہند اب کہاں ہے

ہے زخم جگر کا میرے دل میں
اس کا اب کون پاسباں ہے

پیہم جاری ہیں آنکھوں سے اشک
دن رات یہ قافلہ رواں ہے

اے بلبل ہند تیرے غم میں
اب طائر روح نیمجاں ہے

کب موت سے ہے شہیر غافل
ہر دم اسے یاد رفتگاں ہے

رباعیات

اک روز سبھی بھلے برے جائینگے
اعمال ہی صرف ساتھ لے جائینگے
اطفال و جوان و پیر و بیمار و صحیح
آئی جب آ رہے گی چلے جائینگے

دیگر

مرنے کے نہ دل سے حوصلے جائینگے
ہم قبر میں ان کو ساتھ لے جائینگے
زنجیر پا جو ہوگا ضعفِ پیری
تو چار کے کاندھے ہی چلے جائینگے

دیگر

ناحق مرتے ہیں عمر فانی کے لئے
دیتے ہیں جان زندگانی کے لئے
نادان ہیں وہ شیر بچوں کیطرح
پیری میں جو روتے ہیں جوانی کیلئے

دیگر

ہے عہدِ شباب کامرانی کے لئے
یہ عمر ہے لطف زندگانی کے لئے
پیری کو کہاں نصیب دنیا کے مزے
یہ سب سامان ہیں جوانی کے لئے

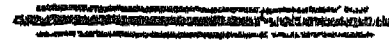
دیگر

بوڑھا، کمزور، ہیچ کارہ ہوں میں
جز خاکِ گور کس کو پیارا ہوں میں
ہے وقت مدد کا اے عصائے پیری
آ تھام لے ہاتھ بے سہارا ہوں میں

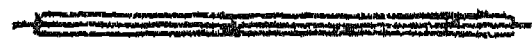
اس غم کدے سے شاد و بدل جاؤنگا | تربت میں برنگ کھل جاؤنگا
ہر شے کے لئے رجوع ہے جانب اصل | ہوں خاک ہی خاک ہی میں مل جاؤنگا



دکھ درد کا اے ضعیفی مارا ہوں میں | عیب ظاہر سا آشکارا ہوں میں
ہے صبح شب شباب جلوہ میرا | پیری میں چمکتا ہوا تارا ہوں میں



پیری میں شباب والی طلعت نہ رہی | کافور صباحت ہوئی رنگت نہ رہی
پڑتی حسینوں کی کبھی جس پر آنکھیں | افسوس شہیر اب وہ صورت نہ رہی



صیاد اجل کی ہے یہ دنیا کمین گاہ | کرتا ہے شکار روز و شب شام و پگاہ
پیری ہے گھات میں جوانی کے شہیر | یہ باز سفید ہے پس زاغ سیاہ



ہے طول امل کا سلسلہ پیچا پیچ | آرام کی نیند چل کے سو گھوڑا بیچ
فکر عقبیٰ شہیر کر چھوڑ یہ ہوس | دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ



لینے لگا دون کی جو طفلی سے شباب | باقی رہی ضبط کی ضعیفی کو نہ تاب
لسانی جوانی کی نہ کچھ پیش گئی | وہ وہ دنداں شکن تجھے پیری کے جواب

بھولوں لے شیخ کیا جوانی کا مزہ — ہے یاد وہ شراب ارغوانی کا مزہ
جب سے یادش بخیر وہ شے چھوٹی — کھانے کا مزہ رہا نہ پانی کا مزہ

گل زیر زمیں سے سر بکف آتے ہیں — گلشن میں غریب آکے لٹ جاتے ہیں
آتی نہیں راس باغ عالم کی ہوا — غنچے سے پھول ہو کے مرجھاتے ہیں

عامل لکھا کریں شفا کا تعویذ — بیمار کو کیا کرے گا اچھا تعویذ
روکے رکتی نہیں جب آتی ہے اجل — بیکار ہے جھاڑ پھونک گنڈا تعویذ

ایام شباب کی عجب باتیں تھیں — راحت کے دن تھے عیش کی راتیں تھیں
پردے پردے میں ہوتی تھی پردہ دری — چھپ چھپ کے حسینوں سے ملاقاتیں تھیں

ہے فاتحہ خوانی سے غرض نام فقط — بکھیلا ہے قل اعوذیوں کا دام فقط
مردہ دوزخ میں جائے یا جنت میں — حلوے مانڈے سے انکو ہے کام فقط

کچھ نیک عمل نہ بہر انجام کیا — دنیا کے مزے اڑائے آرام کیا
کھایا پیا سوئے جاگے اٹھے بیٹھے — کام اتنے کئے مگر نہ کچھ کام کیا

چشمِ باطن میں جو ہے وہ نور ہے تو ۔۔۔ آنکھوں میں ہے نظر سے مستور ہے تو
گردن کی رگ سے بھی زیادہ ہے قریب ۔۔۔ اتنی قربت پر اور پھر دور ہے تو

اوروں کی طرح جو شکلِ دنیا دیکھی ۔۔۔ دوشیزہ و نوجوان و رعنا دیکھی
سوجھا نہ کہ زال ہے یہ مکارۂ دہر ۔۔۔ اندھے ہوئے ہم بھی سب کی دیکھا دیکھی

خاموشی میں کوئی میرا دمساز نہیں ۔۔۔ وہ ساز ہوں میں کہ جس میں آواز نہیں
آواز بھی ہے تو کب ہے انداز کلام ۔۔۔ گویا ہوں مگر سخن کا انداز نہیں

مستی و سرور و شادمانی کب تک ۔۔۔ بے فکری و عیش و کامرانی کب تک
جاہ و اقبال و مال و اعزاز و خطاب ۔۔۔ حاصل بھی ہوئے تو زندگانی کب تک

مجموعۂ دہر ہے بکھرنے کے لئے ۔۔۔ سب آئے ہیں جان سے گذرنے کے لئے
ہستی ہی دلیلِ نیستی کی ہے شہیر ۔۔۔ جینا ہے چند روز مرنے کے لئے

فاسق ہو کوئی پارسا ہو کوئی ۔۔۔ کافر ہو کوئی ۔ باخدا ہو کوئی
ہم بندۂ عشق ہیں ہمیں کیا مطلب ۔۔۔ اچھا ہو کوئی یا برا ہو کوئی

ہر ایک کے دل میں اچھی صورت کی ہے چاہ — خالق کے یہاں بھی خوش جمالوں کی ہے راہ
بت کرتے ہیں دعوائے خدائی اس سے — کیا چیز یہ حسن بھی ہے اللہ اللہ

ہر شے میں جلوہ گر ہے قدرت تیری — ہر چیز سے ہے نمود صنعت تیری
ہے کاہ سے کوہ تک ظہورِ حکمت — کثرت سے عیاں ہے صاف وحدت تیری

کھویا - ربڑی - دہی - ملائی - بیچو — حلوہ پوری گزک مٹھائی بیچو
ملتی نہیں نوکری تو اے اہلِ قلم — پیسے ڈبیہ دیاسلائی بیچو

جو ہم سے دبے تھے وہ دباتے ہیں ہمیں — جو ہم سے بنے تھے وہ بناتے ہیں ہمیں
جو دست نگر رہے ہمارے برسوں — اُلٹے آنکھیں وہ اب دکھاتے ہیں ہمیں

مدت پر آئی ہے ملاقات کی رات — جاؤ گے کہاں ٹھہر رہو رات کی رات
دو عیش کی داد ہو رہی ہے بارش — رکھتی ہے عجب بہار برسات کی رات

نافہموں کو شعر کا سنانا ہے عبث — اندھوں کو چراغ کا دکھانا ہے عبث
آگاہ نہیں رموزِ فن سے جو شہیر — اُن کو ان نکتوں کا بتانا ہے عبث

وہ حسن کہاں۔ کہاں وہ صورت میری — سونلا گئی ہے گلابی رنگت میری
لیکن دل کی اُمنگ ابتک ہے وہی — پیری میں جوان ہے طبیعت میری

بڑھتی جاتی ہے اب نحافت میری — گھٹتی جاتی ہے روز قوت میری
ہے لاکھ مرض یہ ایک ضعف پیری — اچھی رہے کیا شہیر صحت میری

مخمس بر غزل لسان القوم مولوی سید علی نقی صاحب صفی

ہم توسنِ ہمت کو جب ایڑ لگا دینگے — رستہ میں پہاڑوں کو ٹھوکر سے اُڑا دینگے
دم میں جو ہے دم ہلچل عالم میں مچا دینگے — زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو دکھا دینگے
مشرق کا سرا اٹھکر مغرب سے ملا دینگے

لا علم نہیں اس سے آگاہ زمانہ ہے — زیرِ نظرِ برقِ خرمن ہے جو دانہ ہے
مضمون حقیقت میں یہ فلسفیانہ ہے — دھارے میں سمندر کے بجلی کا خزانہ ہے
بہتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگا دینگے

گو سوزِ غم قومی سے آنکھیں ہیں فوارہ — پھر بھی تہ خاکستر ہیں اخگر صد پارہ
ہر چند ہیں افسردہ لیکن نہیں ناکارہ — ہم سینۂ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ

شعلے بھڑک اٹھینگے جھونکے جو ہوا دینگے

وہ اہل کلیسا ہوں یا دیر کے ہوں ساکن — فکروں میں مٹانے کی اسلام کے ہیں ہر دن
پر اسکو سمجھ رکھیں بالکل ہی ہے یہ ناممکن — ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو وقت آنے دو پھر تمکو بتا دینگے

گہ باختر مغرب گہ مشرق خاور میں — تھے بحر میں قطرہ زن پھیلے ہوئے تھے بر میں
اٹھے تھے پہاڑوں سے پہونچے تھے سمندر میں — فاران پہ گرجے تھے برسے تھے جہاں بھر میں
گھر کر جو کہیں کڑکے پھر ہوش اڑا دینگے

گو قلزم ہستی میں ساحل بھی ہے یا سد بھی — ہے نفع کی امیدوں میں خطرہ بجد بھی
اندازِ رو آمد میں ہے طرز برآمد بھی — دنیا کے سمندر میں ہم جزر بھی ہیں مد بھی
دیکھو جو ہمیں ٹوکا طوفان اٹھا دینگے

کیا دیدۂ تر بارش میں ابر سے کمتر ہے — جو اشک کا قطرہ ہے وہ دانۂ گوہر ہے
ہر وقت نظر اپنی افضال خدا پر ہے — مرجھائی ہوئی کھیتی اب ہم ہیں تو کیا ڈر ہے
چھینٹے ہمیں رحمت کے پھر نشو و نما دینگے

اس گلشن ہستی سے اوکھڑینگے نہ ٹوٹینگے — یہ ہم سے نہ چھوٹیگا ہم اس سے نہ چھوٹینگے
اب نامیہ کی دولت آزادی سے لوٹینگے — جڑ ہم نے پکڑ لی ہے کلے نئے پھوٹینگے
گر خاک میں بھی ہم کو اکبار ملا دینگے

بے چارے مسلمانوں کا زور گھٹا دیکھیں — اک اک کا تہِ تیغِ بیداد گلا دیکھیں

قاچاری و عثمانی شاہوں کو گدا دیکھیں ایران ہو یا ٹرکی دونوں کو مٹا دیکھیں

کیا صفحۂ ہستی سے اسلام مٹا دینگے

سبزے کو لہک دی ہے پھولوں کو مہک دی ہے نخلوں کو سرافرازی سنبل کو لٹک دی ہے

ذروں کو بھی قسمت نے صانع نے چمک دی ہے اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے

اتنا ہی یہ ابھریگا جتنا کہ دبا دینگے

دب جائینگی سب دینی تحقیر کی آوازیں اٹھینگی نہ یہ کفر و تکفیر کی آوازیں

آنے لگیں گی تیر و شمشیر کی آوازیں گونجے گی پہاڑوں میں تکبیر کی آوازیں

یہ صور جہاں پھونکا مردوں کو جلا دینگے

ممکن نہیں دنیا میں کوئی ہو شہیر ایسا گرمیٔ سخن پا کر گرمائے نہ جو اصلا

اس قول کے قائل کا بالکل ہے بجا دعویٰ اے جذبۂ اسلامی جس دل میں تو ہوگا

یہ نظم صفی پڑھ کر ہم اس کو سنا دینگے

یکم مارچ ۱۹۱۳ء



تخمیس غزل ترانۂ اقبال ۱۰۔ اگست ۱۹۱۳ء

ماہی سے ماہ تک ہے سکہ رواں ہمارا ڈنکا زمیں سے ہے تا آسماں ہمارا
آفاق میں لقب ہے گیتی ستاں ہمارا چین و عرب ہمارا ۔ ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

غربت کہاں کی ہر جا ہے خانماں ہمارا ہر ملک شہر قریہ میں گھر ہے ہاں ہمارا
روم و عراق و شام و مازندراں ہمارا چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

آثار گو خرابی کے ہو چلے ہیں پیدا ایران مست رہا ہے ترکی کا ہے صفایا
لیکن ہے اس عقیدہ سے دل قوی ہمارا دُنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

ماوا و اصل منشا محبوب کبریا کا اسلامیوں کا قبلہ مولد وہ مرتضیٰ کا
بنائے اوّل ابن آزر ہے جس بنا کا دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

جانباز جیسے ہم ہیں ایسے کہاں ہوئے ہیں بچپن سے مردمی کے جوہر عیاں ہوئے ہیں
نیزوں کے نیستاں میں شیر ژیاں ہوئے ہیں تیغوں کے سایہ میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

اے چرخ پیر لڑکے اکثر جواں ہوئے ہیں — لیکن ہمارے ایسے کمتر جواں ہوئے ہیں
کھا کھا کے زخم اپنے منہ پر جواں ہوئے ہیں — تیغوں کے سایہ میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں

خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

اسلام پر عقیدہ راسخ ہے اور محکم — قرآں عمل ہمارا ہے مسلم ہم ہیں یہ ہے مسلّم
ہیں حق پرست حامی حق ہے ہمارا رہبر — باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

پہلے کی طرح گو اب پھرچا نہیں ہیں ہم — رکھتے ہیں ملک و لشکر پھر بھی کہیں کہیں ہم
حق کے کرم سے اب بھی ہیں مالک نگیں ہم — باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

باقی نہیں ہے کوئی اب ہم صفیر جن کو — تیرا گزر جو سوئے اسپین اے صبا ہو
کہنا کسی نے اتنا پوچھا ہے تجھ سے رو رو — اے گلستان اندلس وہ دن ہیں یاد تجھکو

تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

نصرانیوں سے چھینا کرکے جہاد تجھ کو — تو نے اسے پھر بنایا ہم تو سواد تجھ کو
ہر ایک جانتا تھا باغ مراد تجھ کو — اے گلستان اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو

تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

ہمت بڑھی تھی ایسی تھا پھر محال ممکن — ہندوستاں کے تھے فاتح عرب کے ساکن
چھ سات سو برس کا یہ واقعہ ہے لیکن — اے آب رود گنگا ہیں یاد تجھکو وہ دن

اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

کیسے تھے جادہ پیما ہیں یاد تجھکو وہ دن	تھی سیر کوہ صحرا ہیں یاد تجھکو وہ دن
چڑھ آئے چڑھتے دریا ہیں یاد تجھکو وہ دن	اے آب رود گنگا ہیں یاد تجھکو وہ دن

اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

ہاں دور پھر بھی تیرا پاس ادب ہے ہر دم	موجود نقد جاں ہے دولت نہیں تو کیا غم
واقف برب کعبہ اس سے ہے سارا عالم	اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم

ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

وقت جہاد دینی عزت پہ کٹ مرے ہم	مذہب کے پاس قومی عزت پہ کٹ مرے ہم
یوں کب حصول ملک و دولت پہ کٹ مرے ہم	اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم

ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

سطوت تھی شش جہت میں ہر سو عیاں ہماری	بیٹھی تھی دھاک ربع مسکوں میں ہاں ہماری
مشرق ہی تک نہ کچھ تھیں جانبازیاں ہماری	مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری

رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

تھا چار دانگ عالم میں رعب اپنا طاری	اعلان کلمۃ الحق میں تھے کبھی نہ عاری
تکبیر کی صدائیں سن کانپ اٹھے ناری	مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری

رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

اللہ سے فقط ہے راز و نیاز اپنا	خوشنودی خدا ہے سامان ساز اپنا

ہے نغمۂ حق سے آقا بندہ نواز اپنا   سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

غمخوار قافلہ ہے میر حجاز اپنا   مختار قافلہ ہے میر حجاز اپنا

سردار قافلہ ہے میر حجاز اپنا   سالار قافلہ ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

گو آپ مر رہے ہیں ہم اپنے غم کے مارے   جیتے مگر ابھی ہیں ہمت نہیں ہیں ہارے

اس کو سمجھ رہیں اہل تثلیث و شرک سارے   توحید کی امانت سینے میں ہے ہمارے

آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

پاک اعتقاد وحدت سینوں میں ہے ہمارے   اسلام کی عقیدت سینوں میں ہے ہمارے

ایمان و دیں کی دولت سینوں میں ہے ہمارے   توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

قول شہیر کیا ہے غیبی صدا ہے گویا   حق بر زبان جاری ہے جو کہا ہے گویا

یہ جوش و جذبۂ دیں خود رہنما ہے گویا   اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

چور راہ گیر غفلت کی نیند پڑ کے سویا   وقت عزیز و زاد راہ اپنا اس نے کھویا

اٹھو شہیر راہِ مقصود میں ہو پویا   اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

تخمیس غزل غالب علیہ الرحمۃ

شان خدا نمود ز شان محمد است | دندان گہر بہ درج دہان محمد است
قرآن حسن نطق لسان محمد است | حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است
آرے کلام حق بہ زبان محمد است

کرتا ہے کون ساری خدائی کا بندوبست | اس راز کی خبر ہے اسے جو ہے حق پرست
جو کارساز خلق ہے خالق کا پیش دست | تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق ست
اما کشاد آں ز کمان محمد است

راز و نیاز عاشق و معشوق سرو قد | پنہاں نہیں ہے جانتے ہیں صاحب خرد
قرآن ہی میں ڈھونڈو تو مل جائیگی سند | ہر کس قسم بہ آنچہ عزیز است می خورد
سوگند کردگار بہ جان محمد است

احمد میں اور احمد بے میم میں دوئی | وہ جانتے ہیں عقل میں جنکی ہے کچھ کمی
تکوین انہیں سے اصل میں ہے کائنات کی | دانی اگر بہ معنی لولاک وارسی
خود ارچہ از حق است ازان محمد است

نام خدا ہے اسکی تو کچھ اور ہی بہار | گلبن کے ہوتے تذکرۂ شاخ خاردار
اس ظل حق کے سامنے کیا اسکا اعتبار | واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فرو گذار
کہ اینجا سخن ز سرو روان محمد است

قصہ کلیم و طور کا دیرینہ ہو چکا — ذکر خلیل و نار ہے مدت کا ماجرا
دی ہو خدا نے چشم حقیقت نگر تو آ — بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمد است

خاتم سے پائی لاکھ سلیمان نے مدد — لیکن نہیں ہے وصف اضافی پہ پسند
جوہر ہو ذات میں ہو وہ بیشک ہے مستند — ور خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشانِ محمد است

نسبت نبی سے عہدہ برآ کیا بھلا ہوں ہم — چھوٹا منہ اور بات بڑی حق کی ہے قسم
ثنا طراز شہیر کہہ گیا کیا خوب مرتے دم — غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

خمسہ بر غزل حسان الہند رضوان مرادآبادی

کبھی چشم ظاہر نے دیکھا نہیں ہے — مگر دیدۂ دل سے پردا نہیں ہے
تو پنہاں نہیں یا ہویدا نہیں ہے — کہیں بھی نہیں اور کس جا نہیں ہے
ترا جلوہ ہے کچھ تماشا نہیں ہے

کبھی یہ کنشت و کلیسا نہیں ہے — بتوں کا یہاں دخل اصلا نہیں ہے
شرف میں کم از عرش اعلیٰ نہیں ہے — یہ مکہ نہیں یا مدینہ نہیں ہے

تمھیں دل میں ہو جب تو پھر کیا نہیں ہے

ہمیں خوف دوزخ کا اصلا نہیں ہے	شفیع الوریٰ مصطفےٰ کیا نہیں ہے
نبوت کی تنقیص زیبا نہیں ہے	شفاعت سے انکار اچھا نہیں ہے
قیامت میں ورنہ ٹھکانا نہیں ہے

وہ شکل دل آویز صورت وہ بھولی	شکر میٹھی باتوں میں گویا ہے گھولی
گرہ راز قدرت کی اسطرح کھولی	جو کثرت نے پوچھا تو وحدت یہ بولی
محمد کا عالم میں ہمتا نہیں ہے

اگر یہ نہ ہو تو احد کا ہو دھوکا	احد سے جدا بھی سمجھنا ہے سودا
ہے شکل دہن گومگو کا ہے نقشا	معمہ نہیں میم احمد کا کھلتا
خدا جانے یہ کیا ہے اور کیا نہیں ہے

یہی آب ہے اور گوہر یہی ہے	عرض ہے یہی اور جوہر یہی ہے
حدوث و قدم دونوں کا گھر یہی ہے	محال اور ممکن کا مظہر یہی ہے
یہاں میم احمد میں کیا کیا نہیں ہے

جبین قمر عارض مہر انور	اسی اسم کی وجہ سے ہیں منور
خط نور میں کلک قدرت سے یکسر	ملک کے پروں پر فلک کے دروں پر
کہاں نام احمد کا لکھا نہیں ہے

نہیں اور فریاد رس کوئی حاشا	تھپیڑے ہوں موج حوادث کے کھاتا

ذرا اب نہیں ڈوب جانے میں وقفا　　مجھے تھام بحر مصیبت میں شاہا

کہ تنکے کا بھی اب سہارا نہیں ہے

یہ رحمت کے رشتہ سے گویا سلی ہے　　شفاعت کی بیل اس میں ہر سو ٹنکی ہے

عطا پاش ہو کر خطا پوش بھی ہے　　شفیع جہاں کی عبا کہہ رہی ہے

وہ دامن ہی کیا جس میں پردا نہیں ہے

ارے کم نہیں سوز عشق پیمبر　　محبت کی گرمی ہے تجھ سے بھی بڑھ کر

ذرا بھی نہیں آنچ آنے کی مجھ پر　　نہ گرما نہ گرما بس لے مہر محشر

مرا داغ دل تو نے دیکھا نہیں ہے

تماشا تو کچھ سوز الفت کا دیکھو　　نہ لے ہمدمو مجھ کو گریہ سے روکو

ٹھہر جاؤ اشک وفا کو نہ پوچھو　　غم شہ میں رونے بھی دو چشم تر کو

یہ بادل ابھی کھل کے برسا نہیں ہے

بڑے لطف و آرام کے ساتھ سوتا　　یہ حوروں کی خاطر نہ راتوں کو روتا

ہوائے جناں میں نہ جان اپنی کھوتا　　ثنا خوان فردوس زاہد نہ ہوتا

مدینہ ابھی اس نے دیکھا نہیں ہے

ولائے نبی جب کہ ہو دین و ایماں　　فدا پنجتن پر ہیں میرے دل و جاں

یہ کہتا شہیر آپ کا ٹھیک ہے ہاں　　مددگار رضواں کے ہیں شاہ مرداں

زمانہ عدو ہو تو پروا نہیں ہے

خمسہ بر غزل حسان الہند رضوان مرادآبادی

ہمہ تن آپ پر جو ہے جہاں وہ ہے وہیں صدقے
نثار ارض و سما تحت الثریٰ عرش بریں صدقے
ملائک روح انس و جاں فدا روح الامیں صدقے
مرا دل ہی نہیں قرباں مری جاں ہی نہیں صدقے
دو عالم آپ پر یا رحمۃ اللعالمیں صدقے

حلاوت پر دہن کی شیرہ جان انگبیں صدقے
عذوبت پر زبان پاک کی ماء معیں صدقے
کلام روح پرور پر خضر با صد یقیں صدقے
لب جاں بخش کی باتوں پر اک ہم ہی نہیں صدقے
کلیم اللہ صدقے عیسیٰ گردوں نشیں صدقے

نیاز عشق و الفت کا کیا حاصل ہنر میں نے
بہم کی استلام عتبۂ عالی کی سر میں نے
تعالی اللہ پایا کیا شرف بیدرد سر میں نے
کئے سجدے جو سنگ آستان شاہ پر میں نے
خطِ تقدیر پہ ہو ہو گئی لوحِ جبیں صدقے

محبت تیری وہ شے ہے خدا کو بھی ہے جسکی چاہ
شہادت کے لئے قرآں بکف کہتے ہیں حق آگاہ
کلامِ حق یہ ہے شک کی نہیں ہے اس میں کوئی راہ
تو وہ محبوب خالق ہے کہ تجھ پر یا رسول اللہ
جہاں بھر کی تھیں جتنی خوبیاں سب ہو گئیں صدقے

شرف کیا ہاتھ آیا قاصدی ربِ داور کا
بڑھا کرّوبیوں میں مرتبہ ناموس اکبر کا
ستارہ خوب چمکا واقعی اُس کے مقدر کا
شب معراج میں خادم بنا تجھ سے پیمبر کا

نہ کیوں بخت رسا پر اپنی ہو روح الامیں صدقے

پہنچ شفیع سیہ کاراں گوارا کرلی سب ایذا   نبی جو بار عصیاں سے تھے انکو کر دیا ہلکا
نجات امت عاصی کا حق سے لیا وعدا   گنہگاروں کی خاطر تم نے جھیلیں سختیاں کیا کیا
دل و جاں دونوں تم پر یا شفیع المذنبیں صدقے

جمال پاک کے ظاہر ہوئے افلاک پر جلوے   فرشتے ہو گئے شیدائی حسن عالم آرا کے
تصدق ہونے کو غلمان و رضواں شوق میں دوڑے   شب معراج میں جب سیر کرتے آپ جاتے تھے
رخ پر نور پر جنت میں حوریں ہو گئیں صدقے

زمین پست تھا رتبہ دیا افلاک کا مجھکو   نہ رکھا فیض جاں بخشی سے پتلا خاک کا مجھکو
بنایا تابع فرماں شہ لولاک کا مجھکو   کیا ہے امتی اپنے حبیب پاک کا مجھکو
تری رحمت پہ میں اے خالق جاں آفریں صدقے

براق عرش پیما پر سر افلاک جب پہونچے   فرشتے شوق پابوسی میں بیتابانہ سب دوڑے
رکاب پاک سے مل مل کے آنکھیں اپنی ملتے تھے   ترے نقش قدم پر سر فدا گردوں نشینوں کے
تری نعلین پر تاج سلاطین زمیں صدقے

ترے حسن جہاں افروز پر تیری وجاہت پر   ترے اس عارض گلرنگ پر تیری صباحت پر
ترے رخسار تاباں پر تری پاکیزہ طلعت پر   ترے پر نور چہرے پر تری نورانی صورت پر
چراغ ماہ قرباں شمع خورشید مبیں صدقے

نثار الفت انساں ہوئے اکثر بنی جاں تک   نہیں محدود کار عشق بلقیس و سلیماں تک

فدائی ہو کے پہنچے عرش تک اپنے دل و جاں تک | جو قول شاہ کوثر کا آیا دل تک پہونچا اسرار گلستاں تک

زلیخا کی طرح یوسف نہ جائیں کہیں صدقے

شباب عرش اعظم اسکو بھی فضل سے ہے عز و جاہ | تصدق رود رود شب باس ہو یہ کرتے ہیں زر شاہ

یہیں کے زائروں کو ملتی ہے جنت کی سیدھی راہ | ترا روضہ وہ دلکش ہے کہ جس پر پیار رسول اللہ

بہار عرش صدقے نزہت خلد بریں صدقے

تخمیس اب یہ مخمس ہے کہ مجموعہ سعادت کا | عیاں ہوتا ہے رنگ الفاظ سے حسن عقیدت کا

گل تر حرف حرف اس کا گویا ہے باغ جنت کا | یہ رضواں کی غزل ہے یا کوئی گلدستہ جنت کا

ترے حسن پر زمزمہ سنجان فردوس بریں صدقے



مثنوی بعنوان ذکر حالات مسجد قبا داخل کتاب

مدینۃ الرسول مصنفہ ۲۷ر اپریل سنہ ۱۵ء

خامہ کو نہ کیوں ہو اس قدر ناز | ہے عزت والقلم سے ممتاز

اس پر ما یسطرون بھی واہ | ماشاء اللہ و بارک اللہ

قرآن میں اس کی یہ قسم ہے | جو خالق لوح والقلم ہے

کیا ہو تحریر اس کی توصیف — کیونکر ہو بیاں اس کی تعریف
وہ نہیں آسکتے حق نے رد نہ پائیں — تا فرشتاں سمجھیں جائیں
ذکر اللہ و مصطفیٰ ہو — ہے نعت نہ حمد کبریا ہو
عرش و کرسی سب سے ہے مکرم — خلقت میں یہ اُن سے ہے مکرم
دست قدرت میں خود ہے محفوظ — تخت فرماں ہے لوح محفوظ
ماکان و مایکون و کن کا — اللہ نے اس کو علم بخشا
سب علم و ارادہ اس کے — اس پر ہوئے منکشف کماہی
گردش اس کی ہے زیب تحریر — آواز صریر حسن تقریر
سجدے میں قلم جو سرنگوں ہے — یہ جوہر امر کاف ونوں ہے
راہِ طاعت نئی نکالی — طرح سجدہ اسی نے ڈالی
سجدے میں جو حق کے سر جھکایا — یہ مرتبۂ عظیم پایا
ادیان ماسبق میں ہرچند — سجدے کے نہ اہل دیں تھے پابند
لیکن اسلام نے یہ تجدید — سجدے کی نماز میں کی تاکید
سجدے سے عبودیت کی ہے شان — سجدہ واجب ہے بہر رحمٰن
سجدے سے ہے عز و شانِ طاعت — سجدہ ہے دراصل جانِ طاعت
سجدہ ہے بنائے دین و ایماں — سجدہ ہے فخر جن و انساں
ساجد سب ہیں خدا ہے مسجود — ہم عبد ہیں اور رب ہے معبود

جو پیش خدا ہے سر نگوں بندہ | مقبول خدا ہے وہ بندہ
سجدے سے ہے بہرہ مند ساجد | سجدے سے ہے سر بلند ساجد
سجدہ ہے وجہ سر افرازی | سجدے سے بنا سر خرو نمازی
مسجد ہے نام جائے سجدہ | جائے سجدہ برائے سجدہ
سجدے سے ہے استحقاق مسجد | سجدے سے ہے زیب طاق مسجد
مسجد کی ہے ایسی شان و عزت | کہتا ہے گھر اپنا رب عزت
معبد ٹھہرا مکان معبود | سبحان اللہ شان معبود
افضل ہیں وہ مسجدوں میں اقسام | اقصیٰ و حرام جن کے ہیں نام
کعبہ ہے حجاز روکش طور | بیت المقدس ہے شام مشہور
بانی اک کے خلیل یزداں | اور ایک کے حضرت سلیمان
دونوں یہ پیمبران برحق | تھے راہ نمائے طاعت حق
دونوں یہ معابد اعظم | پیش خالق ہے مکرم
کفار کے قبضہ میں جو آئے | کیا کیا نہ وہ اس میں رنگ لائے
بت خانہ بنایا بدعتیں کیں | سمجھے باطل کو حق وہ بے دیں
کفر و الحاد بڑھ چکا جب | پھر جوش میں آئی رحمت رب
چمکا مکے میں حق کا وہ نور | جس سے ہوئی ظلمت جہاں دور
مبعوث ہوئے رسول امجد | سر کردہ انبیاء محمد

محبوب خدا نبی اکرم
مخدوم و مطاع خلق عالم

فخر دو جہاں و شاہ کونین
سردار مقام قاب قوسین

مفہوم حدیث قدسی پاک
لولاک لما خلقت الافلاک

جس کے حق میں ہوا مسلّم
امر صلوا علیہ و سلّم

تبلیغ امر دیں میں ہیہات
ایذا دیتے تھے شہ کو بدذات

لائے ایماں کچھ نکو کار
تھے دشمن جاں ہزاروں کفار

گو کلمۂ حق ہی کہتے تھے آپ
اس پر بھی جفائیں سہتے تھے آپ

آمادۂ قتل جب ہوئے سب
اس دم ہوا حکم حضرت رب

مکہ چھوڑو ۔ مدینہ جاؤ
لطف تائید حق اٹھاؤ

تعمیل حکم رب اکبر
واجب سمجھے چلے پیمبر

گو حب وطن نے پاؤں پکڑے
لیکن نہ رسول پاک ٹھہرے

دشت غربت کی شب کو لی راہ
پردیسی بنے حضور ذی جاہ

طیبہ میں جو آئے کرکے ہجرت
نازل ہوئی گویا حق کی رحمت

انصار نے فرش رہ کی آنکھیں
بڑھ بڑھ سب نے بچھائیں آنکھیں

نقش قدم رسول والا
تھے نور میں مہر و مہ سے بالا

انداز خرام و حسن رفتار
وہ تھا کہ تھے لوٹ کبک کہسار

جس سمت گزرتے شاہ لولاک
پاتی وہ زمین اوج افلاک

رکھتے تھے حبیب میں جہاں پاؤں ڈھونڈا کرتا تھا جس جگہ چھپاؤں
سایہ تن پاک کا کہاں تھا وہ پیکر نور بے نشاں تھا
آیا نہ نظر وہ سایۂ پاک ہر چند زمین آئی پا کی خاک
تھے ظل الہٰ آپ حضرت تھا سایۂ سایہ عین وقت
آخر وہ ہمائے اوج و رفعت تھا پیشوائے عالم نبوت
جس جا وہ ہفتہ آ کے ٹھہرا چاہا بنے گھر یہاں خدا کا
وہ مسجد اولین اسلام جس کا ہے مسجد قبا نام
تقویٰ پر اساس اس کی ڈالی معمار تھا دو جہاں کا والی
وہ قبلہ و کعبۂ معظم محبوب خدا رسول اکرم
معمار بنا خود اس بنا کا کیا خوب بنا گھر خدا کا
جتنے تھے مہاجر اور انصار تعمیر میں ان سے تھے مددگار
لاتے تھے چوب و گل اٹھا کر مصروف بکار تھے پیمبر
مسجد تیار ہوگئی جب دلشاد ہوا وہ خاصۂ رب
سب سے پہلے نماز اسلام پائی بے خوف اسی میں انجام
غالب تھا جو ذوق و شوق طاعت ہوتی تھی نماز با جماعت
چندے گزرے بخیر و خوبی نکلی تھی پھر یہ راہ شر کی
تھا ایک ابو عامر خطا کار [illegible] شریر مکار

باہر رسول تھا یہ قصہ بھر — تھا دل سے منافق ان کا قہر

اس نے رہ تشنیع یہ نکالی — تازہ مسجد کی نیو ڈالی

نقصان و کفر و تفرقہ تھا — اہل ایمان میں کرنے کو پیدا

چاہا کہ گھٹے قبا کی عزت — اس کو ہے ہو مخل طاقت

افسوس نہ ہوا یہ کارگر کچھ — پہونچا نہ ضرار سے ضرر کچھ

کیا چلتی منافقوں کی سازش — اس پر تھی خدا کی حبیب نوازش

پھر یہ ہوئی مرضی الٰہی — ہو جلد ضرار کی تباہی

تاکید تھی لا تقم فیہ — ابداً سے ہمیشگی کی تنبیہ

جبریل سے یہ پیام سن کر — چاہا حضرت نے دفع ہو شر

بگڑی کو بنا سکے نہ حاسد — ڈھائی گئی وہ بنائے فاسد

اس مسجد پاک کا ثنا خواں — اللہ ہے خود میان قرآن

ارشاد المسجد اُسس کا — ما قبل علی و لفظ تقویٰ

من اوّل یوم احق کا فرمان — تھا واجب الاتباع اذعان

تعمیل ان تقوم فیہ اب — کرنے لگے طاہرین و طیب

اسلام نے پکڑی خوب قوت — روز افزوں دین کی تھی طاعت

بیت المقدس کے سمت لیکن — کرتے تھے عبادت آپ ہر دن

بعد از یک سال و نیم یکروز — جو دن تھا یوم جمعہ اندوز

پڑھتے تھے نماز ظہر حضرت — اصحاب سمیت تھے امام حضرت

آدھی ہی نماز تھی ہوئی تھی — دو رکعتیں ہو چکی تھیں باقی

تب ناگہاں وحی رب جلیل — قبلہ سوئے کعبہ کرو تبدیل

تعمیل فوراً وحی حق کی — اور بس نہیں لازمی و ضروری

تاخیر و درنگ تھی نہ یکسر — آمادہ ہو گئے پیمبر

باقی جو رکعتیں رہی تھیں — پھیر کر سوئے کعبہ وہ ادا کیں

قول سفہا تھا جو باطل — یہ کہہ کے کیا انھیں بھی قائل

مشرق و مغرب خدا ہی کا ہے — جو حکم ہو اس کا وہ بجا ہے

مسجد کا ہوا جو نیک انجام — ٹھہرا ذو قبلتین بھی نام

کس طرح ہو مدح اس کی تحریر — قاصر ہے صفت میں زور تقریر

اس سے رسول کو محبت — اس درجہ تھا اس کا پاس عزت

خارج از شہر گو قبا ہے — ہاں فاصلہ ڈیڑھ کوس کا ہے

ہر ہفتہ نماز پڑھتے آکر — معمول رہا یہ زندگی بھر

یکتا اس وصف میں قبا ہے — دونوں قبلہ کی رہ نما ہے

وارد یہ حدیث میں ہوا ہے — ارشاد حبیب کبریا ہے

دو رکعتیں اس میں پڑھتے آنا — اک عمرہ کا ہے ثواب پانا

بیشک ہے یہ اشرف المعابد — لاریب ہے افضل المساجد

زیبندہ اس کی تشبیہہ کرنا　　دریا کو کوزے میں جیسے بھرنا
نظم الفقراء نیک آئیں　　مشہور ہیں شمس الدین
مومن دیندار پارسا ہیں　　صوفی کے ہیں با صفا ہیں
فرمائش ہے یہ نظم ان کی　　تعمیل اس سے ہوئے کی

آزردن خاطر احبا
کفر است ایں در طریقت ما

مثنوی مذمت جوانی و حرمت پیری

ارتجل کانفرنس الٰہ آباد

کالا ترا سنہ ہوا جوانی　　داغی کی تو نے زندگانی
جب تک ترا زور تھا سیہ کار　　کرتی رہی رات دن گنہگار
بدکاریوں کا سبق پڑھایا　　چسکا مے ناب کا دلایا
دن بھر پھرواتی تھی سیہ مست　　رکھتی تھی شب کو جام در دست
رندوں کے جھگڑے میں لائی　　توڑا سب زور پارسائی
آسیب بلا بنی رہی تو　　پریوں کے سایہ میں اڑی تو
جلوہ رخ خوب کا دکھا کر　　دیوانہ پریوں کا بنا کر

گمراہی کا راستہ دکھایا   گلیوں میں رات بھر پھرایا
خاصیت بد میں کام تیرا   رسوائیوں میں تھا نام تیرا
شیشے کی پری تھی تیری محبوب   طالب تو دختِ رز تھی مطلوب
مینا سے غرض تھی جام سے کام   بس تجھکو تھا اپنے کام سے کام
گو ایک ہی شب کی میہماں تھی   پھر بھی تجھکو عذاب جاں تھی
تھی رہزن راہ دین و ایماں   تھا تیرا بھی تو کار شیطاں
پیتی اس طرح کی پڑھائی   اللہ کی یاد کر کے بھلائی
روزہ چھوڑا نماز چھوڑی   توبہ بھی بار بار توڑی
کردم ز شراب ناب توبہ   در گروۂ ناکسے ست توبہ
دیوانی ہے بس کہ نوجوانی   قدر عصمت نہ اس نے جانی
صد شکر کہ تو نے ساتھ چھوڑا   بہتر ہوا مجھ سے منہ جو موڑا
اب میں ہوں اور پیری پیری   جو آئی ہے بہر دستگیری
گزرے وہ سیاہ کاری کے دن   اترا سر سے چڑھا ہوا جن
حاصل ہوئی بارے روسفیدی   دھویا گیا داغ نا امیدی
بہتر ہے شباب سے بڑھاپا   ماریگا یہ فوج غم پہ چھاپا
پیری کا یہ ضعف و ناتوانی   افضل ہے ز قوت جوانی
غفلت کے پردوں کو ہٹا کر   دکھلائیگی ایک خوب منظر

[illegible] — [illegible]

آ اے مری پیاری پیری — اچھی پیری عزیز پیری

مشتاق و منتظر تھا کب سے — میں مانگ رہا تھا تجھکو رب سے

صدقے تجھ پر سو جوانی — قربان ہزار نوجوانی

کم عیش شباب بے وفا ہے — عاجل ہے نہ تو گریز پا ہے

ہے سنگ تا عمر ساتھ میرا — چھوڑیگی کبھی نہ ہاتھ میرا

نیکی ہے پاکباز ہے تو — اب مونس دلنواز ہے تو

تیری عصمت ہے تجھکو معلوم — بچوں کی طرح ہے تو بھی معصوم

کھوتی ہے عیب و نقص خامی — پختہ کاری میں تو ہے نامی

کر دیتی ہے بوڑھوں کو خردمند — آویزۂ گوش ہے تری پند

ہو جاتے ہیں تجھ سے پیر دانا — کر دیتی ہے ضعف میں توانا

دم تیرا بھروں نہ کیوں میں ہر دم — تو ہی تو ہے اب رفیق و ہمدم

سب عمر کے مرحلے ہوئے طے — اب منزل آخری تو ہی ہے

کٹ جائیگی راہ حسب دلخواہ — انشاء اللہ انشاء اللہ

یہ پنجرۂ جسم جو ہے دربند — ہے طائر روح جسمیں پربند

تو قید حیات سے چھڑا کر — آزادی کے بخشے گی اسے پر

دیکھے گا گلشن جناں پھر — پائے گا اپنا آشیاں پھر

[illegible]

دنیا و دیں کی [illegible] تیری | [illegible]
وہ شہر بہار جاوداں [illegible] | [illegible]
حاصل ہو گئی تجھ کو جو جنت | وہ جنت ہے ملک کی تیری [illegible]
اب میری یہ آخری دعا ہے | تجھ سے نہ کبھی پھرے ارادہ
پہونچاوے مجھ کو تا بہ مدفن | اصلی تو وہی ہے میرا مسکن

چھوٹے تجھ سے نہ ساتھ میرا
کافور کفن ہو رنگ تیرا

قصیدہ مسمط در تہنیت جلوس تخت نشینی حضور قیصر ہند خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بمقام دہلی در صنعت توشیح کہ از نام نامی و اسم گرامی اعلیٰ حضرت شہنشاہ معظم معنون شدہ و این مصرع ذیل کہ جامع تاریخ و سال جلوس ہم است برمی آید و نیز صنائع دیگر کہ بر خاطر اہل بصیرت مخفی نماند

"امپرر آف انڈیا جارج دی ففتھ تاجدار"

ا آئی نئی ہے ایکبار گلشن ہند میں بہار | منت و شکر کردگار ورد زبان ہے بار بار
پ پیتے ہیں پھول بادہ خوار مست طرب ہیں میگسار | رفعت زمردیں نگار پہنے ہیں دشت و کوہسار

ر رازِ نمو ہے آشکار دیکھئے رنگ سبزہ زار

ایسی بہار جانفزا ایسی ہوائے دلکشا — فرحت و انبساط کا کیوں نہ چڑھے بھلا نشا

اس سے زیادہ ہوئیگا کیا موسمِ شگفت کا مزا — ناز کی چال سے صبا چلتی ہے کیا اٹھلا اٹھلا

ڈالیاں نخل کی واہ واہ جھکتی ہیں کیسی بار بار

یاس امید ہو گئی - کھل گئی دل کی ہر کلی — آس بندھی بڑھی خوشی پوری ہوئی سب آرزو ہوئی

جی کی مراد اب ملی شکر ہے امر لازمی — ایسی خوشی کبھی نہ تھی جیسی ہے اب کی تو رہی

روز کی بیکلی مٹی دامن گل سے نکلے خار

جام مئے مراد لا - بادہ مشک بو پلا — دیر نہ کر شتاب آ وقت کرم ہے ساقیا

یوم سرور آگیا - کیسی فضا ہے جانفزا — فضل عمیم کبریا بندوں کے حال پر ہوا

فرحت و انبساط کا لگتے ہیں اک اب ہزار

تخت و نگین و تاج کا - مالک و وارث آگیا — ہند کا بخت جاگ اٹھا اوج حشم سوا ہوا

تاجور قمر لوا - سایہ فضل کبریا — آپ ہوا کرم نما - ہز مجسٹی پادشا

جان جہان جہاں کشا قیصر ہند نامدار

داور نیک و دادگر - جم حشم و فریدوں فر — اوج فزائے تاج سر زینت و زیب تخت زر

رمز شناس و نکتہ ور - عالم علم و با ہنر — حرف شروع و صدر پہ رکھ مع ابتدا نظر

سال خطاب میر ہے دلیل اس سے کر شمار

گوہر لجۂ عطا - جوہر معدن سخا — بحر نوال و فیض کا در یتیم و بے بہا

مہر سپہر اعتلا ماہ سمائے ارتقا — خاصہ لطف کبریا خلق میں نائب خدا

[illegible]

امپرس کوئن وکٹوریہ [illegible] سے شہریار کی — [illegible]
[illegible] پروری خاص حق شفقت سی — شکر ہے پیدا ہو گئی [illegible]
آیا وہ روز فرخی جسکا تھا کب سے انتظار

امپرس اور امپرر دونوں یہاں ہیں جلوہ گر — ایک ہے شمس اک قمر ہیچ شرف ہے تیر زہ
کیوں نہو اہل ہند پر مہر و کرم کی یہ نظر — شفقت مادر و پدر سے ہے برکت پے بسر
رحمت حق ہے سر بسر حسن سلوک شہریار

دہلی میں آکے تاج پوش جو ہوا شاہ حق نیوش — مرحمت سے ہی کا جوش کہتے ہیں اسکو اہل ہوش
حلقۂ بندگی بگوش بار عبودیت بدوش — راہ وفا میں تخت گوش کہتے ہیں اسکو سرفروش
بے غم و فکر تا سے و خوش جمع ہیں سب یہ جاں نثار

دور ہوئے غم و تعب مٹ گیا رنج تاب و تب — رشک گریٹ برٹن اب ہند بھی ہو تو کیا عجب
دونوں جگہ ہے فضل رب ایک ہی شاہ ہے خوش لقب — اہل فرنگ و ہند سب صبح و مسا و روز و شب
ہو کے قرین صد طرب کرتے ہیں شکر کردگار

نظم شہیر بے ہنر اس سے ہوئی ہے پُر دُرر — مدحت شاہ بحر و بر اس میں رقم ہے سر بسر
حاصل کاوش جگر ہے یہ دعائے مختصر — امپرس اینڈ امپرر لولانگ فار اور
دونوں کا یہ شکوہ و فر حق رکھے صدلین قرار

۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

قصیدہ تاریخی سالگرہ حضور اعلیٰحضرت قیصر ہندوستان

حضرت جارج پنجم خلد اللہ ملکہ

حواس و ہوش کیوں ساقی کے ہیں گم — نہیں معلوم کیوں ہے آج گم صم
کہو کچھ منہ سے بولے سر سے کھیلے — خموشی چھوڑے ہے وقت تکلم
نہیں یہ بے رخی رندوں سے اچھی — تغافل ہے ستم جائے ترحم
گھٹا کا کام لے زلف سیہ سے — ہنسے چمکائے اب برق تبسم
بجھائے آج تو میخواروں کی پیاس — لبا لب کردے سب پیمانہ و خم
شراب فیض کی گنگا بہائے — نظر آجائے میخانہ میں قلزم
یہی ہے اقتضا دریا دلی کا — کہ بحر جود میں اب ہو تلاطم
پلائے جام راح روح پرور — کرے مردہ دلوں پر اب ترحم
لب ساغر مسیحائی دکھائے — صدائے قلقل مینا ہو قم قم
پلادے زاہدوں کو آتش تر — جلا دے آگ سے انبار ہیزم
خوشی کا روز ہے غفار ہے رب — خیال و خوف عصیاں آج سے گم
نہیں اندیشۂ عقبیٰ کا موقع — یہ قبل از وقت بے جا ہے توہم
خیال روز فردا آج کیوں ہو — کریں کاہے کو فکر ما تقدم

[illegible] رحمت کی ہے سب آس — اسی [illegible] تو ہم

سرور [illegible] کی کیفیتوں سے — وہ [illegible]

نظر شیشے میں ہے بنت العنب پر — پھر [illegible] عداوت ہوتا ہے تو ہم

یہ اعلیٰ تر ہے حق کی نعمتوں میں — یہی ہے خلد میں وجہ تنعم

نکالے جاتے جنت سے نہ آدم — اگر پیتے اسے کھاتے نہ گندم

نہ اک قطرہ بھی دریا نوش چھوڑیں — شراب ناب اگر ہو مثل قلزم

نہیں اندیشۂ سیلاب بادہ — حواس و ہوش ہوں کس واسطے گم

سفینہ نوح کا ہے کشتی مے — نہیں پروائے طوفان تلاطم

ہمارا رہنما پیر مغاں ہے — بھلا بہکائے تو غول توہم

نہ مر کر بھی اٹھیں گے میکدے سے — بنے گا گنبد مدفن یہی خم

رفیق خرمی سے سب ہیں سرمست — نہیں ہیں ہوش میں آج اپنے مردم

فراہم سب ہیں اسباب تعیش — مہیا سب ہیں سامان تنعم

بط مے پیتی ہے خون کبوتر — شراب سرخ سے لبریز ہیں خم

طیور باغ ہیں مصروف نغمہ — عنادل سب ہیں سرگرم ترنم

نہو جب خطرہ صیاد و گلچیں — تو کیسی داد خواہی کیا تظلم

سبھی آزاد ہیں احرار گلشن — نہیں کچھ بھی اسیری کا توہم

ہر اک سو ناچتے پھرتے ہیں طاؤس — اٹھائے جوش مستی میں سر دم

لگاتے قہقہے ہیں کبک کہسار
چہکتے پڑھتے ہیں سب کلمۂ شمیم

تدرو اس شان سے چلتے ہیں تن کر
خرد مستی خرامی کی بھی ہے گم

بنی ہے آج اپنا آپ راحت
حساب نوش میں ہے نیش کژدم

نہیں کانٹوں کی نوکوں میں خلش اب
ہیں نرمی میں سر تار بریشم

بہار تازۂ گل دیدنی ہے
چمن میں کرتی ہیں کلیاں تبسم

نئے سر سے بسی ہے آج دلّی
ہر اک اقلیم کے ہیں جمع مردم

دکھایا حق نے روز شادمانی
شب غم کٹ گئی ظلمت ہوئی گم

حضور امپرس اور امپرر کا
ہر اک پر خسروانہ ہے ترحم

جلوس موکب گیتی ستاں نے
حواس پیر گردوں کر دئے گم

سواری میں ہے رہوار صبا دم
دم جولاں ادا سے ہے چھوڑ دم

سمند بادپا کی شوخیوں سے
لپی جاتی ہے بجلی بھی تہِ سم

خوشی تاجپوشی کا ہے یہ زور
کہ بحر خرمی میں ہے تلاطم

یہ خاک زیر پائے شہ کی ہے قدر
لئے جاتے ہیں سب بہر تیمم

بڑھی ہے شان دربار معلےٰ
ہے صرف فرش رہ دیبا و قاقم

کلس اونچا ہے اتنا بارگہ کا
سر گردوں سے ہے خوف تصادم

حریر و پرنیاں کے ہیں جو پردے
رگ جاں اُن میں ہے تار بریشم

یہ ہے سامان بزم تاج پوشی
کہ نظارے سے جس کے قلم ہو گم

سریر سلطنت پر جلوہ گر ہیں — مہ و خور اور دو یاری ہیں انجم
جمال شاہ و شاہنشاہ یا نور — ہوا ہے نور بخش چشم مردم
گلیم ہند شام ہند اب سے — عجب کیا پائے رنگ صبح قاقم
ترا مستقبل اچھا ہوگا اے ہند — یہ ہیں سامان حفظ ما تقدم
خدا کے فضل سے پھر ہاتھ آئی — وہ دولت ہوگئی تھی پہلے جو گم
مبارک ہو یہ جشن تاج پوشی — رہیں خوش راجہ پرجہ اور ہم تم
نزول رحمت حق ہو دمادم — رہے افضال ایزد کا تراکم
شہیر اب لکھیے سال جلوسی — جلوس اعلیٰ حضرت جارج پنجم
سمجھ لیں ساعت و تاریخ و مہ بھی — حروف سال کو گن لیں جو مردم

در تقریب خیر مقدم حضور ہز آنر عالیجناب سر جیمس مسٹن گورنر

بہادر صوبہ متحدہ۔ بمقام جونپور ۷ فروری سنہ ۱۴ء

حضور ہز آنر۔ آفتاب اوج کرم — نشان رحمت باری سحاب فیض اتم
مدیر و حاکم اعلائے یو پی اینڈ اودھ — ہمارے صوبہ کے فرماں روا مسیحا دم
جناب والا سر جیمس مسٹن افسر ملک — کہ لفٹنٹ گورنر لقب ہے جنکا علم
زہے نصیب کہ حاضر حضور میں ہو کر — ورود خیر مقدم میں کہتے ہیں ویلکم

ہے یہ بھی بندہ نوازی حضور والا کی — یہاں جو لائے ہیں تشریف آپ بجائے حشم

ضرور اس میں رعیت نوازی کی ہے شان — مبارک آپ کا ہو جونپور میں مقدم

خدا کرے کہ نہ آثار قحط ہوں ظاہر — دنوں سے رنج گرانی جنس کا ہو الم

بہت حضور کی آمد سے شاد ہیں ہم لوگ — ذرا بھی اس میں خوشامد نہیں ہے اک قسم

نہیں ہے وقت بھی حد ادب بھی مانع ہے — کہ بڑھنے پائے نہ کچھ شوخیٔ زبان قلم

مگر یقین دلانا حضور کو ہے یہ فرض — کمال امن سے ہم لوگ ہیں خوش و خرم

یہاں ہمارے کلکٹر جو ایسی ڈی اکر ہیں — انھیں کے حسن حکومت سے مطمئن ہیں ہم

دعائے دولت و اقبال مجسٹی میں — خلوص قلب سے مصروف رہتے ہیں ہر دم

یہاں نزاع نہیں ہندو و مسلماں میں — کسی طرح کی خصومت کوئی نہیں باہم

یہی وجہ کہ سب یکزباں یہ کہتے ہیں آج — سر آنکھوں پر ہیں ہمارے حضور کے یہ قدم

ہمارے اوج سعادت بہ بام ما افتاد
چو ایں زماں گزرت بر مقام ما افتاد

قصیدہ مدحیہ در تقریب خیر مقدم حضور ڈی آنریبل ڈی سی بیلی

سینیر ممبر بورڈ آف ریونیو ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

بموقع افتتاح بیلی ہاسپٹل مچھلی شہر ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء

روز و شب گردش میں ہے یہ گنبد فیروزہ خام — آسمان و چرخ گرداں ہے اسی سے اسکا نام

ایک صورت سے پھرا کرتا ہے گردوں کا پھیر
ایک ہی حالت سے سیارے نہیں رہتے صبح و شام

گھومتی قسمت یونہی ہے ازل سے تا ابد
یہ کہیں دم بھر ٹھہر کر رہ نہیں سکتا مقام

اتفاقاً یہ جو پیکر کا اس کے نام ہے
یعنی اس کے دور کی کیفیتیں ہیں دور جام

بادۂ خالص کو کہتے ہیں جبھی تو آفتاب
ساغر سے نے اسی سے پایا ہے مہتاب نام

خم کی صورت دیکھ لو ہے وضع مینائے فلک
دونوں کی ترکیب ہیئت میں ہے کیا تشبیہ تام

ہاں زمین میکدہ ہے ہمسر چرخ بریں
کیوں فلک کی طرح میخانہ نہ ہو عالی مقام

اپنے اس دعوے کی کہتا ہوں میں روشن دلیل
دیکھتے ہیں آج آنکھوں سے جسے سب خاص و عام

یہ شفاخانہ ہوا ہے جو بنا تعمیر سب
جس کی رسم افتتاح کا ہے سب پہلے اہتمام

قبل ازیں تھی خاص اس جا پر بنائے میکدہ
آبکاری سے ملقب تھی جو مابین انام

اس سے اک اور نکتۂ باریک کا عقدہ کھلا
ٹھیک کہتے ہیں شراب ناب کو دارو عوام

کیونکہ جو معنی دوا کے ہیں وہی دارو کے ہیں
اور تاثیر دوا میں ہے شفا کا التزام

جائے میخانہ شفاخانہ مزے کی بات ہے
اتحاد معنوی سے ہے بہم کیا التیام

گو خرابی سے سب آثار قدیمہ مٹ گئے
پر یہ بنیاد جدیدہ اسکی ہے قائم مقام

اوج پر اس قطعۂ ارضی کی جو تقدیر تھی
مل گیا خوبی قسمت سے عروج و احتشام

بگڑے بن جاتے ہیں جب اللہ کا ہوتا ہے فضل
وقت آجاتا ہے تو سب ٹھیک ہو جاتا ہے کام

میکدہ جب تھا جہاں اب ہے وہاں دار الشفا
اس بنائے خیر کو یارب ہمیشہ ہو قیام

اللہ اللہ دیکھئے تو شان ہی کچھ اور ہے
اس عمارت کا ہے بیلی ہاسپٹل خوب نام

اس جلیل القدر کے اسم سے موسوم ہے — جسکا ثانی دوسرا ہوگا نہ بیشک انکا نام

واہ کیا نام مبارک ہے کہ جس کے لیتے ہی — ہوتے ہیں کام و زبان و لب مرے سب شاد کام

مطلع

عادل و فیاض و خوش خلق و جواد نیک نام — اتر پیل ڈی سی بیلی حاکم اعلیٰ مقام

بورڈ آف ریونیو کے اس سینیر ممبر ہیں آپ — ملک میں تا خدمت عالی کا ہو اعلیٰ انتظام

ہے یہ یوپی اینڈ اودھ کے خوش نصیبی کی دلیل — جس نے پایا اس طرح کا حاکم ذی احترام

بیٹھے ہیں سب کے دلوں پر آپ کے اخلاق کے — آپ کے اشفاق کے مداح ہیں سب خاص و عام

خلق کی تاثیر سے ہیں بندۂ بے دام سب — لطف سے تسخیر کے سب کے دل وحشی ہیں رام

اس عنایت کا ادا ہو شکریہ کیا اے حضور — جو قدم رنجہ یہاں فرمایا با صد احترام

آنکھیں اک مدت سے ہم لوگوں کی فرش راہ تھیں — مقدم والا کی خاطر تھیں دعائیں صبح و شام

للہ الحمد آج بر آئی تمنائے دلی — آرزو پوری ہوئی۔ ہے شکر حق کا یہ مقام

کیا ہوا تاخیر اس تعمیر میں گو کچھ ہوئی — دیر ہونے سے درستی میں ہوا سب ٹھیک کام

پہلے آئین دختر نیک اختر عالی حضور — سنگ بنیاد اسکا رکھا آپ با صد احتشام

اس سے بڑھکر یادگاری فخر کی کیا ہوگی اور — باپ کی قائم مقامی میں کیا بیٹی نے کام

کیوں نہ ہوں ممنون جان و دل سے ہم لوگ انکے بھی — اصل بناؤں میں وہ ہیں۔ ہے مقدم انکا نام

رسم فونڈیشن وہ تھی جو ہو چکی پہلے ادا — اوپننگ سری منی کا آج یہ ہے اہتمام

ابتدا جس کام کی دختر کے ہاتھوں سے ہوئی — حسن و خوبی سے کیا اب باپ نے اسکو تمام

کچھ ہوئے ایسے آنے کے جسکی وجہ سے ہی — ہو سکا تیار بڑی دقت سے اس تعمیر کا انصرام

پست ہمت ہوگئے اس سے سبیر انجمن — سمجھے ترکی پہنچی اس تدبیر کی بنی تمام

ہوادی اس سے اتنا حسن اور ہیں گیا پتہ نگہ پڑھ — کہیں وصول چندہ کی تدبیر ہیں پاستی تمام

کیونکہ تحصیلدار بھی شرف الحکیم تھے — ہوگئے ہم نوکروں کے حامی پن آیا جس کا کام

کالا کانکٹر اور سیدی سے ملی اچھی مدد — سے صاحب اور راجہ نے کیا خوب اپنا نام

سے ہی ذاکر اسے پر جواب کلکٹر ہیں یہاں — جن کے لطف خاص کے ممنون ہیں خاص و عام

کی اعانت ایسی ہم لوگوں کی کافی طور پر — جن کے حسن نظم سے اس جلسے نے پایا انتظام

ہیں یہاں سید محمد اطہر اب تحصیلدار — جن کی تھوڑی سی توجہ بھی بہت ہی آئی کام

رقمیں موعودہ مقامی چندہ کی باقی جو تھیں — ہوگئی انکی وصولی غالباً سب دام دام

اب دعائے مختصر پر ختم کرتا ہوں سخن — تا نہ بار سمع اقدس ہو کہیں طول کلام

شاعران ہند میں مشہور ہوں گو میں شہیر — لیکن اصلی ہے مرا سید محمد نوح نام

ہے خدا جبتک ہے یہ دورۂ شمس و قمر — تا کواکب کا رہے بزم سما میں اژدہام

ساعت و اوقات تا ایام میں محسوب ہوں — روز و شب کا تا زمانہ میں رہے باقی نظام

نام نامی بھی صاحب کا یونہیں روشن رہے — آپ کا جاری رہے دنیا میں ہر سو فیض عام

ہز مجسٹی جارج پنجم قیصر ہندوستاں کا

ظل گستر باد بر فرق رعایا بالدوام

لہ خانصاحب مولوی سید محمد حسن صاحب رئیس و اسپشل مجسٹریٹ مچھلی شہر

در تہنیت عروسی مسٹر چوہنس صاحب کلکٹر جونپور ۲۶ نومبر

اللہ اللہ کیا بہار جاں فزا ہے اندنوں — روح پرور کیا ہوائے دلکشا ہے اندنوں

رنگ گلزار جہاں ہے آج کل نکھرا ہوا — خوب نخل آرزو پھولا پھلا ہے اندنوں

کھل کھلا پڑتی ہیں کلیاں چھیڑتی ہے جب نسیم — خود ہوائے شوق میں باد صبا ہے اندنوں

بندھ رہی ہے خوش مزاجی کی ہوا گلزار میں — واشد دل سے ہر اک گل ہنس رہا ہے اندنوں

دخل کیسا ذکر بھی افسردگی کا اب نہیں — غنچۂ خاطر شگفتہ ہو رہا ہے اندنوں

گلستان ہند میں تازہ بہار آئی ہے اب — سبزہ پامال خزاں ہو کر ہرا ہے اندنوں

لطف وصلت اب اٹھاتے ہیں گل و بلبل بہم — خار خار ہجر سینوں سے جدا ہے اندنوں

زمزمہ سنج مسرت طائران باغ ہیں — بلبل شوریدہ سر نغمہ سرا ہے اندنوں

قیصر ہندوستاں کے آمد آمد کی ہے دھوم — سب دلوں سے خرمی سب کو سوا ہے اندنوں

چار دانگ ہند میں شور طرب ہے ہر طرف — ربع مسکوں میں ہر اک سو غلغلا ہے اندنوں

عام اب جنس طرب ہے کوچہ و بازار میں — نقد عیش بے بہا بھی کم بہا ہے اندنوں

خوش رعایا و برایا حاکم و محکوم ہیں — حال پر بندوں کے اب فضل خدا ہے اندنوں

ق نے بخشی اس خوشی میں اور یہ تازہ خوشی — یعنی حاکم ضلع کا دولھا بنا ہے اندنوں

مدت میں ہوئے خوش جناب [illegible] — لطف و عیش و شادمانی کا مزا ہے اندنوں

شکر ہے اب ہو گئی پوری تمنائے دلی — ہم کو شغل ہر قدم عروس کا ہے اندنوں
اس عروسی کی خوشی میں ہے یہ بزم تہنیت — غل مبارکباد کا ہر سو مچا ہے اندنوں
ترانہ ہائے ہر زباں جوش سے تبریک ہے — لعل لب کا خوب طوطی بولتا ہے اندنوں
سہرہ بس مستہ ہوس لے خدا تا دیر گاہ — خوش رہیں پھولیں پھلیں یہ دعا ہے اندنوں

کامیابی کا ہمیشہ ان کے سر سہرا رہے
اے شہیر اللہ سے یہ التجا ہے اندنوں

قطعات تاریخ

قطعہ تاریخ ارتحال پر ملال میر علی ضامن صاحب مرحوم نائب تحصیلدار ساکن علو یا پانچ مچھلی شہر

سید خوش اعتقاد و پاک دل — آں علی ضامن لئیق و نوجواں
مرد در طاعون در عین شباب — پاک آمد پاک رفت ازیں جہاں
من نوشتم بر سر قبرش شہیر — راہ عقبیٰ یافتہ با عز و شاں ۱۳۲۱ھ

تاریخ وفات طفیل بی بی مادر علی محمد محلہ خانزادہ

ام شیخ علی محمد نے — باغ فردوس میں جگہ پائی
پنج شنبہ کا روز تھا وہ آہ — اور ہفتم مہ صیام کی تھی

تھا وہ جوڑا عورت کا مرض مہلک — جس سے رخصت ہوئی بیوی انکی
سوچ ہے لوح مزار کی تاریخ — قبر پاکیزہ بی بی عفتن کی ۱۳۳۲ھ

قطعہ تاریخ تعمیر عابد منزل واقع امین آباد لکھنؤ حسب فرمائش عابد علیخاں صاحب مالک منزل

ملحق مسجد یہ پاکیزہ عمارت بن گئی — شکر پورا حوصلہ عابد علیخاں کا ہوا
پاس مسجد کے جو یہ ایوان عالیشان ہے — اس سے عابد منزل اسکا نام اور اچھا ہوا

معنوی و صوری ہے تاریخ تعمیرے شہیر
تیرہ سو بتیس اب سال بنا زیبا ہوا ۱۳۳۲ھ

تاریخ لوح مزار برادر مغفور سید حسین مرحوم تحصیلدار

ابن عم ام مسمی خامس آل عبا — شیعہ پاک اعتقاد و سید والا نژاد
عازم فردوس چوں شد زیں جہان بے بقا — گشت داخل در جوار رحمت رب العباد

بہر سال لوح مرقد زد رقم کلک شہیر
تربت آل نبی سید حسین پاک زاد ۱۳۳۲ھ

قطعہ تاریخ انطباع دیوان تاج سخن تصنیف حافظ جلیل حسن صاحب جلیل جانشین امیر مینائی

خوش اللہ ہو گئی شایع وہ نظم لاجواب — دل فریبی میں ہے جو مجنونہ رنگیں ادا

کیا سجی ہے زیور الفاظ سے شکل عروس | کیا غضب کی زیب ہے پیدا ہوا طرز سے سوا
حسن معنی کو سواد خط چھپا سکتا نہیں | اے نیر تجلی شیشہ تاباں کی کہیں چھپتی چھپا
ہے سواد اسکو اگر دیکھئے تو ہو روشن سواد | روشنی شمع کے فانوس میں جیسے پھیلا
اس پری زاد سخن کو جس نے دیکھا بغور نظر | [illegible]
اسکے نظارے سے رہ سکتے نہیں قابو میں دل | تاب اسکے جلوے کے لائیں کہاں ہوش [illegible]
دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں بیساختہ اہل نظر | بارک الله بارک الله مرحبا صد مرحبا
ہے وزیر بادشاہ شاعراں کا یہ کلام | کہتے ہیں تاج سخن اہل سخن اسکو بجا
یعنی یہ دیوان ہے تصنیف [illegible] | [illegible]
ماہر فن باریاب حضرت شاہ دکن | حافظ قرآن و دیندار و جوان و پارسا
تھے شہنشاہ سخن حضرت امیر لکھنوی | جن کا ظل عاطفت تھا سایۂ بال ہما
فیض فن آموزی مرحوم کا یہ ہے اثر | شاعر اعلیٰ ہر اک شاگرد ادنیٰ ہو گیا
یہ جلیل القدر شاگردوں میں بھی ممتاز تھے | حال پر انکے عنایت رہتی تھی سب سے سوا
عزت قائم مقامی امیر ان کو ملی | جانشینی کا شرف بھی پا گئے نام خدا
الله الله کیسی پائی ہے طبیعت نور کی | کیا زبان صاف ہے کیا شوخی طبع رسا
جس غزل کو دیکھئے ہے صاف انداز امیر | شیشۂ ہر شعر میں ہے رنگ مینائی بھرا
مثل جو استاد کا ہو وہ ہے شاگرد رشید | یہ صفت جس میں ہو وہ ہے لائق مدح و ثنا
بلبل ہندوستاں تو ہو گیا سدرہ نشیں | اب دکن میں ہر طرف ان کا ہے طوطی بولتا

سر ہوا راجہ مکھن السلطنت ہیں اُن کے شاد
شاد ہو آصف خوش ہیں یا غنی ہیں جو پادشا

کیوں نہ اب بخت رسا پہ اپنے اُنکو ناز ہو
شاد در دربار سلطانی کا منصب پا گیا

مصرع تاریخ سال طبع اب کہتے شمیر
چھپ گیا دیوان استاد سخن کا واہ وا [illegible]

تاریخ دیوان نواب زمان بہادر نبیرۂ مرحوم علی بہادر خلد مکاں

ظلمت اخفا سے نکلا آفتاب شاعری
مطلع مطبع سے جلوہ گر ہوا مہر منیر

ہر طرف نور مضامیں کی جو پھیلی روشنی
آنکھیں ملتے اٹھے شوق دید میں نادیر

جاگ اٹھی تقدیر مشتاقوں کی چونکے خواب سے
یکزباں کرنے لگے سب شکر احسان قدیر

شپرہ چشموں کی آنکھیں اس سے خیرہ ہو گئیں
صورت خفاش حاسد ہو گئے سب گوشہ گیر

چشم بد دور اوج پر مہر مبین نظم ہے
رشک کرتا ہے زمین شعر پہ چرخ اثیر

کیوں نہ اعلیٰ اوج و پایہ ہو سخن کا اس طرح
بول بالا اس کا رہتا ہے جو ہو روشن ضمیر

اسکی یہ تصنیف عالی ہے جو ہے عالی وقار
ہے امیر ابن امیر ابن امیر ابن امیر

ماہ کنعان فصاحت یوسف مصر سخن
گوہر تاج بلاغت زیب اورنگ سریر

شاعر شیوہ زبان و ناظم عذب البیاں
یعنی نواب زماں رشک نظیری و ظہیر

جد امجد آپکے باندے میں تھے فرماں روا
تھا علی اُن کا تخلص تھے وہ تلمیذ منیر

یہ شرف مجھکو ہے یعنی انکا خواجہ تاش ہوں
ہوں منیر خوش بیاں کا میں بھی شاگرد شمیر

نکلے سے جو سو دی اس کا عدد اتفاقاً

چھپ گیا دیوان والا بے مثال حضرت شبیر سنہ ۱۳۱۱ھ

تاریخ طبع دیوان سفینۂ نوح من تصنیف محمد نوح صاحب نوح ناروی

خلیل کعبۂ نظم و کلیم طور سخن | مسمی آدم ثانی حضرت احسن نوح
کلام خویش بدین خوبی شائع کرد | چسان شہیر نہ شہرت شود ز شائع نوح
ہمہ محاسن شعری بہ بین درین دیوان | کہ ہست نام خدا پاک از عیوب و قبح
سخنوران جہان تر زبان بمداحش | ز حسن بندش مضمون شود بہ سیف فتح

شہیر گفت دعائیہ سال طبع لطیف

روان بود چو بساحت بود سفینۂ نوح سنہ ۱۳۲۰ھ

دیگر

آن شہیر عالم شہرت کہ ہمنام من است | یعنی نوح ناروی شہرۂ زمان و خوش بیان
از تلامیذ فصیح الملک داغ دہلوی | خاص شاگرد شہ شہپال ہندستان بود

مصرع تاریخ در سال مسیحی گو شہیر

زیب تاج طبع شد دیوان نوح خوش بیان

تاریخ واقعہ ارتحال محمد باقر مرحوم

مل گیا خاک میں ہے ہے وہ جوان | آب زمزم سے ہوا جو طاہر

ستر تھا شکل خمیر میں جو — جسکی بابت نہ کبھی تھی نظر
اب وہ زینت آغوش لحد — سب تھے پھر جس کے عروسی منظر
شاہد مرگ کا دلدادہ تھا — کھل گیا جان کے دینے سے سر
پوچھا شہاں نے یہ کون جواں — مجھ پہ چھپے حال کر اسکا ظاہر
دادا کی سے یہ اجل بولی شہیر — حاجی شیخ محمد باقر ۱۳۳۲ھ

قطعۂ تاریخ تعمیر بالاخانہ محمد زکریا ماہر مچھلی شہری

نیچے دکان اوپر مکان کیا اچھا کاشانہ ہے — گھر ہے نفع و راحت کا عیش یہاں بیعانہ ہے
ذکر جنت کا اے واعظ افسانہ ہے — جسکو وحشت ہو اکیں سمجھو وہ دیوانہ ہے
سال بنا کہئے یہ شہیر خوب یہ بالاخانہ ہے ۱۳۳۸ھ

قطعۂ تاریخ ارتحال واقعہ پر از ملال یادداشت انتقال پر ملال عزیز مرحوم سید عبداللہ

آہ از مرگ اخوی کوچک — قلب زار من حقیر شکست
سال ایں واقعہ چو پرسیدم — گفت ہاتف دل شہیر شکست ۱۳۳۹ھ

قطعہ در مادۂ ارتحال سید شوکت علی مرحوم خواہر زادہ مصنف

دریغا سید شوکت علی مرد — فزوں یک سال عمرش بد ز پنجاہ

چو وی از دنیائے دوں آزاد شد | ستم تاریخ او شد [illegible] سحرگاہ
ازیں مہماں سرائے چند روزہ | بہ ملک جاودانی یافت آباد
عزیزاں در غمش سینہ فگارند | شہیر ایں واقعہ سخت است و جانکاہ
چہ گویم من حزیں از بہر سالش | بہ صد افسوس شد امیر زادہ بہ آہ ۱۲۳۳ھ

قطعہ تاریخ ارتحال شیخ ولایت علی مرحوم

شیخ ولایت علی مرحوم آہ | شہر میں جنکا نہ تھا کوئی جواب
عازم جنت ہوئے میرٹھ سے وہ | رو رہے ہیں انکو سبھی شیخ و شاب
پاک گناہوں سے ہمیشہ رہے | صاف رہا انکا حساب و کتاب
خوب شہیر انکا یہ ہے سال فوت | داخل فردوس ہوئے بے حساب ۱۲۳ سنہ

دیگر

حیف آں شیخ ولایت علی عالی جاہ | خاصۂ حضرت رب بندۂ مقبول الٰہ
اشرف و امجد و دیندار و سخی و باذل | صاحب فضل و کرم نیک دل و حق آگاہ
ہنرش شغل وکالت عملش نیک عمل | سعی می کرد شب و روز پئے خیر و رفاہ
چوں بہ میزانِ عمل نیک و بدش سنجیدند | پلۂ رفت بہ بالا کہ گراں بود گناہ
سر برآوردہ و ذی قدر و رئیس نامی | بہ گروہ وکلا بود بہ نجوم اندر ماہ
ہر کہ تقریر فصیحش بہ شنیدے گفتے | بارک اللہ و ضحاک اللہ و ماشاء اللہ

داستان عمر پر شرف و اوج جلال — رفت در زیر زمین چون مه کنعان در چاه

بیست و هشتم مه ذی الحجه و سه شنبه بود — که ز کاشانه رود باز در افتاد براه

تشنه با اسکه که در هجده هشتم نامی ست — می نمایند بران سیر امرا گاه بگاه

بهر وسواس انداخت چو شیطان آن دم — گفت لا حول و لا قوة الا بالله

آن تماشه ز دیوان عدالت نرسید — که شد این حادثه بیخ فزا و جانکاه

تا بدین صدمه افتاد و نه آورد دماغ — کرد آماس جبین و رخ و سر دار سفاه

بود یک عشره چو در عمر عزیزش باقی — مهلتی داد و لکن گفت اجل نیست پناه

شد ولادت به هزار و دو صد و شصت و چهار — یوم آدینه شبانگه یکم اول ماه

چونکه سال از پیمان گشت و همان ماه آمد — از کمین مرگ مفاجات برآمد ناگاه

آمد آن وقت رسانید چو پیغام وصال — خوش بصد شوق به او گفت که هان بسم الله

پاک آمد به جهان و ز جهان پاک برفت — کلمه حق بزبان بود که انا لله

شد بعمر دو کس پیر و عزیزان به غمش — چاک کردند گریبان و همه جامه سیاه

دفن کردند همه خاک بچشم گریان — آمد آن وقت که گفتند همه طاب ثراه

روز و هنگام و مه و سال رقم کرد شهیر
هفتم ماه عزا جز و شب سه شنبه آه

تاریخ طبع دیوان اصغر حسین صاحب صغیر [illegible]

بے مثل و لاجواب کلام صغیر ہے | اپنی نظیر آپ جو ہو اسکا کیا جواب
حسن اشاعت اور بڑھا لطف طبع سے | ہر صفحہ ہو گیا رخ محبوب کا جواب

نکلا یہ سال طبع دل سال سے شہیر
دیوان بے نظیر چھپا ہے لاجواب ۱۹۱۱ء

قطعات تاریخ وفات مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی مرحوم خلد آشیاں

ازیں سرائے جہانے بسوئے دار بقا | شناخت ہم فن و ہم عصر من بوقت پگاہ
گزیدہ شاعر ذی علم صاحب دیواں | محقق ہمہ داں و مدقق آگاہ
نمودہ کسب فن شعر از جناب قلق | ضیائے نور بلے ز آفتاب گیرد ماہ
وجیہ پاک نہاد و جمیل و خوش پوشاک | بہ عمر شیب جواں می نمود آں باللہ
ز عالمان فرنگی محل جد و پدرش | بہ لکھنؤ ہمہ ممتاز و ذی شرف باجاہ
بہ اسم مولوی عبدالاحد شہیر جہاں | تخلصش بدہ شمشاد النسب و دلخواہ

نوشت سال مسیحی شہیر بالتصریح
بہ پنج شنبۂ ذیقعدہ بست و پنجم ماہ ۱۹۱۷ء

دیگر

باغ انوار مدفن شمشاد | نیست نزدیک من بہشت کم
سنۂ عیسوی است در منقوط | جائے شمشاد شد بہ باغ ارم ۱۹۱۷ء

ایضاً در ہجری

مولوی عبدالاحد شمشاد ہوں نیت جناں | روز و شب ان پر نزول رحمت غفار ہو
باغ انوار ان کے مدفن کی جگہ بھی ہے بجا | ملک میں دادا کے پوتا کیوں نہ سرشار ہو

ہے یہ تاریخ دعائیہ پئے لوح مزار
مرقد شمشاد طیب مہبط انوار ہو ۱۳۳۵ھ

دیگر

سنہ ذیقعد کی تھی وہ پچیس | پنجشنبہ کا دن تھا غم افزا
ہوئے شمشاد زیب باغ نعیم | دے سکی کچھ نہ مہلت انکو قضا
لکھئے لوح مزار پہ یہ شہیر | قبر شمشاد افصح الفصحا ۱۳۳۵ھ

در تعمیر کمرہ مختصر خود

کمرہ یہ مختصر سا چھت پر | بنوایا شہیر میں نے اچھا
تاریخ بھی فی البدیہہ کہدی | بالاخانہ ہے خوب اپنا
۱۳۳۳ھ

تاریخ طبع دیوان اصغر حسین صغیر

دیوان صغیر نکته دان است — مطبوع طبع هر چه دانے

سال طبعش شهیر گفتم — دیوانِ صغیر نکته دانے

تاریخ طبع مسدس جنگی که یادگار حالات از طرابلس است بفرمائش مصنف

طبع شد این مسدس جنگی — از جناب حمید نیک شیم

ذکر غازیان ترک هر بیتے — کرده هر شعر خویش با او ضم

گفت حالات جنگ با تفصیل — وز وغا بازی اطالی هم

عرصهٔ کارزار شد صفحه — نقشهٔ حرب گشت زیب رقم

خواست از من شهیر چوں سالش

ترک تاز طرابلس گفتم

قطعهٔ تاریخ وفات شمس علی خان مرحوم برائے لوح مزار حسب فرمائش برادرش اشرف علیخان صاحب نصا تحصیلدار پدر مغفور

دریغا آں جوان شمس علی خاں رفت از دنیا — غروب افسوس مهر زندگی اش گشت و خود مدفون

نهم تاریخ از شوال بود و روز دوشنبه — دل تحصیلدار اشرف علیخاں شد زغم پرخون

شهیر ایں سال میلادی نوشتم بر سر قبرش

جواں بد شانزدہ سالہ بمرد افسوس در طاعون
۱۳۲۲ھ

قطعہ تاریخ سال ورود ہز ازمجیسٹی امام اللہ اقبالہ و ضاعف اجلالہ

ہز آنر جو تشریف لائے یہاں — ہوئی سب کو حاصل نہایت خوشی
ہوئے شگفتہ مزاجی چلی — ہوا ہو گئی ساری افسردگی
بنا آج رشک جون پور — کلی دل کی ہر ایک کے کھل گئی
بشاشت سے خاطر ہے باغ و بہار — چلی آتی ہے ہونٹوں پر خود ہنسی
اسی رنگ کا مختصر مادہ
مئے سال ہے غنچہ خورمی ۱۹۱۴ء

تاریخ جلوس حضور قیصر ہند جارج پنجم شہنشاہ ہندوستان وشاہ انگلینڈ خلد اللہ ملکہ

جارج پنجم قیصر ہندوستاں شیریں زباں — مدح سے جسکی حلاوت یاب ہیں کام و زباں
ساتھ لیکر بادشہ بیگم کو انگلستان سے — ازرہ شفقت ہوا ہے وارد ہندوستاں
شہر دہلی کی بڑھی ہے رونق افزائی سے زیب — کارونیشن یعنی رسم تاجپوشی ہے یہاں
ہند بھر میں اس خوشی کی مچ رہی ہے دھوم دھام — اک سرے سے شاد ہیں سب کو دکھ پیر و جواں

مصرعۂ اولیٰ ہے بہر سال کافی اے شہیر
جارج پنجم قیصر ہندوستاں شیریں زباں سنہ ۱۹۱۱ء

دیگر

دہلی میں شاہِ خوش مزاج ہو گیا تاج پوش آج
سال جلوس لکھ شہیر مالک تخت و اوج تاج
سنہ ۱۹۱۱ء

دیگر

تربت نور آگیں۔ حافظ و بایماں سید احمد حسن۔ متوطن جائے زیبا کہ قصبہ مچھلی شہر
سنہ ۱۳۳۹ھ سنہ ۱۳۳۹ھ سنہ ۱۳۳۹ھ

از ایجاد فکر دلگیر سید محمد نوح شہیر

سنہ ۱۳۳۹ھ

یار جانی دوستی جسکی تھی روح روح نوح
جسکو میرے ساتھ تھی بیحد محبت ہائے ہائے

حافظ قرآں بایمان و ممدوح جہاں
خلق میں اخلاق کی جسکے تھی شہرت ہائے ہائے

پیاری بیٹی پانچ دن پہلے سدھاری خلد کو
ہو گئے رات آپ بھی راہی جنت ہائے ہائے

صدمۂ جانکاہ مرگ دختر ایسا تھا عظیم
ایک ہفتہ بھی اجل نے دی نہ مہلت ہائے ہائے

پنجشنبہ پنجم شعبان ہے یوم دفن آج
کیوں نہ ہوں آنکھوں سے جاری اشک حسرت ہائے ہائے

بہر سال و نقش لوح قبر کہد و اے شہیر
سید احمد حسن کی ہے یہ تربت ہائے ہائے

سنہ ۱۳۳۹ھ

قطعات تاریخ در تولد دختر سید محمد ابوسعید سلمہٗ پسر خورد عشقی بہاری

پیارے بیٹے آپ کے ہیں سید ابوسعید اے شہیر
دی انھیں خلاق نے دختر شکر بے چوں کیجیے

تمنائے آرزو پہ آپ فائز ہوگئے
شادی مولود کو اب دل سے مقبول کیجیے

ہیچ ماضی کو بدلئے خوشی حال سے
بہر مستقبل دعائے خیر مکنون کیجیے

سال ہجری چاہیے لکھنا جو صوری معنوی

تیرہ سو پہ اور چوالیس افزوں کیجیے ۱۳۴۴ھ

دیگر

بحمد اللہ مراد ہشت سالہ میری بر آئی
خدا نے دی مرے بیٹے کو بیٹی ثانی بلقیس

ربیع الثانی۔ اسلامی مہینہ۔ روز شنبہ تھا
سن ہجری تھا تیرہ سو مزید اس پر تھے چوالیس

نماز وقت مغرب پڑھنے کا ہنگام نکو تھا
زمین و آسماں پر خالق اکبر کی تھی تقدیس

نمازی مسجدوں میں طاعت معبود کرتے تھے
فلک پہ درس آموز ملک تھے حضرت ادریس

اسی وقت سعید و نیک میں پیدا ہوئی لڑکی
اسیر پنجہ لعنت قیدی غم جبکہ تھا ابلیس

شہیر اس شادی میلاد میں اے معنوی صوفی
کہو وہ سال میلادی ہو جس سے نظم کی تاسیس

نکلنی پر طرف آغاز محنت کی ضرورت کیا

نومبر چودھویں تاریخ سن انیس سو پچیس

۱۹۲۵ء

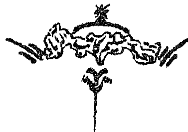
برائے لوح مزار سید اقبال علی بی اے ایل ایل بی [illegible] خلف الصدق

سید نواب علی مرحوم تحصیلدار خواہر زادہ ام

اس جواں نیک کا مرقد ہے یہ — وہ سعادت مند و پیرو آل نبی
کھینچ لائی موت مچھلی شہر سے — دنبل سرطاں نے آخر جان لی
راس آئی کچھ نہ تدبیر علاج — خاک میں امید صحت مل گئی
پنجشنبہ بستم ذیقعدہ کو آہ — ہو گیا سب ختم لطف زندگی

از سر اندوہ ہے یہ سال خوب
زیب تربت سید اقبال علی
سنہ ۱۳۴ھ

تمام شد



قطعاتِ تاریخ انطباعِ دیوان

نوٹ:۔ ضخامت کے لحاظ سے صرف دو دو اشعار ہر تاریخ کے درج کیے گئے ہیں۔

قطعہ تاریخ اشاعت دیوان از نا خدائے سخن حضرت نوح ناروی جانشین حضرت داغ

کیا جناب شہیر کی ہو صفت — خاص تلمیذ و یادگار منیر
سال اتمام چاہیئے اے نوح — لکھ۔ سخن چینی جناب شہیر
۱۳۵۴ھ

من تصنیف شاعر باکمال مولوی متین الدین احمد صاحب متین مچھلی شہری یادگار داغ

یہ جناب شہیر کا دیوان — دولت لازوال ہے لاریب
کیوں نہ تاریخ طبع ہو متین — گوہر بے بہا۔ خزینہ غیب
۱۹۳۵ء

من تصنیف پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق ڈپٹی کلکٹر تلمیذ جناب شہیر مرحوم

روح عروض و ماہر فن۔ صاحب کمال — تھے تاجدار ملک سخن حضرت شہیر
اے شوق لکھ دو مصرعہ تاریخ بے درنگ — کیا خوب واہ چھپ گیا دیوان شہیر
۱۹۳۵ء

از احمد مختار صاحب بدر مچھلی شہری مختار عدالت فوجداری جونپور

لو حضرت شہیر کا دیوان چھپ گیا — اب کیوں نہ دل شگفتہ ہو ہر خاص و عام کا
اے بدر لکھدو مصرع تاریخ سال طبع — دیوان ہے یہ شاعر شیریں کلام کا

۱۳۵۵ھ

از سید محمد ظفر مچھلی شہری تلمیذ جناب شہیر مرحوم

ہے یہ دیوان شہیر با کمال — دیدہ زیب و دلپسند و بے نظیر
فکر سال طبع کی گر ہے ظفر — کہدو - یہ ہے گلشن نظم شہیر

۱۹۳۶ء

من تصنیف دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب گلشن ساکن الہ آباد

طبع ہوا دیوان شہیر اب — بھاگ ہیں جاگے اہل وطن کے
از سر کوشش - کہدو گلشن — پھول کھلے ہیں باغ سخن کے

۲۰ + ۱۹۱۶ = ۱۹۳۶ء

نتیجۂ فکر سید محمد مجتبیٰ صاحب مشہور خلف حضرت شہیر خلد آشیاں

لو بہار آئی ہوا سرسبز گلزار سخن — بس گیا خوشبوئے گلہائے مضامیں سے چمن
لکھدو یہ مشہور سال طبع دیوان شہیر — چھپ گیا ہے زحمت ابدال کا دیوان سخن

۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر سید محمد ایوب صاحب خلف حضرت شہیر [illegible]

جنت الفردوس میں ہے شادماں روح منیر
الغرض ... شاعری ... جنت مقام

بہر تاریخ طباعت مصرع آخر ہے خوب
کہہ ... شکر خدا ایوب ... کلام

سنہ [illegible]ھ

نتیجۂ فکر مولوی محمد رشید صاحب سہیل رئیس ... تلمیذ حضرت شہیر مرحوم

حقیقت جو پوچھو حقیقت یہ ہے
کہ یکتا شاعری میں جواب شہیر

ہے سال لکھ دو بکر سہیل
چھپا ہے کلام جناب شہیر

سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر منشی محمد اسمٰعیل جذبی سیمابی القوی عفی اللہ عنہ امام جامع مسجد میمنان

ہے حضرت شہیر کا دیوان یہ لاجواب
مظہر ہے معرفت کا نہیں اسمیں شک ذرا

جذبی ہوئی جو فکر مجھے سال طبع کی
آئی ندائے غیب - چراغ جہاں نما

سنہ ۱۳۵۴ء

نتیجۂ فکر میمن جان محمد بن اسمٰعیل سیٹھ جانی سیمابی کوچینی

یہ خبر رحمت نے پائی از افادات سروش
لو مرتب ہو گیا دیوان تلمیذ منیر

سر اُٹھا کر جہل کا لکھ دو یہ جانی سال طبع
چھپ چکا عرفاں بھرا - دیوان مولانا شہیر

نتیجہ فکر مولوی محمد ذکریا صاحب ہمت گنجینوی تلمیذ جناب شہیر خلد آشیاں

چھپ کے جو مطبع سے نکلا آج دیوان شہیر
پردۂ مشرق سے برآمد ہوا مہر منیر

لکھدے تاریخ طباعت ہمت شیریں زباں
ہو گیا اب طبع بالتخصیص دیوان شہیر

۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر مولوی اشتیاق احمد صاحب مشتاق سرائے بریلوی تلمیذ جناب شہیر خلد آشیاں

چھپ گیا ہے شہیر کا دیوان
ساری دنیا میں جسکی شہرت ہے

فکر کیا سال طبع کی مشتاق
صاف لکھدو خدا کی قدرت ہے

۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر شیخ واحد علی صاحب عبرت تحصیلدار تلمیذ جناب شہیر خلد آشیاں

چھپ گیا دیوان مولانا شہیر
پردۂ ظلمت سے نکلا آفتاب

لکھدو عبرت بہر سال طبع اب
نام حق دیوان یہ ہے انتخاب

۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر سید نذیر حسین صاحب جوش مچھلی شہری تلمیذ جناب آرزو لکھنوی
برادر خورد سروش

چھپ کے نکلا شان سے کیا خوب دیوان شہیر
اپنی کوشش میں سروش خوش بیاں ہیں کامیاب

سال تاریخ اشاعت جوش لکھدو صاف صاف
ہے یہ دیوان شہیر شاعر عالی جناب

۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر مرزا احسین صاحب انصاری زائر مچھلی شہری تلمیذ جناب شبیر خلد آشیاں

کیا کہا تعریف مجھ سے ہو سکے دیوان کی
مجھ کو جو آیا وہ ہے فیضان مولانا شہیر

ہر سال طبع یہ زائر آپ کہیں کیا فکر ہے
لکھ دو اب بہتر ہے یہ دیوان مولانا شہیر

سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر سید علی حیدر صاحب حیدر خویش جناب شہیر صاحب

لکھ دے حیدر ہر سال طبع اب
عیسوی ہجری کا یکجائی حساب

ہے مستند یہ دیوان شہیر
بے نظیر اعلیٰ تبار و لاجواب

سنہ ۱۳۵۴ھ
سنہ ۱۹۳۵ء

نتیجۂ فکر سید ابو جعفر صاحب جعفر رضوی مچھلی شہری تلمیذ جناب شہیر جنت مقام

چھپ کے مطبع سے جو نکلا ہے کلام یادگار
ہو رہی ہے شاد باغ خلد میں روح شہیر

دی ندا ہاتف نے جعفر ہر سال طبع اب
لکھ بھی دو خوب اک یہ دیوان مولانا شہیر

سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر سید محمد مصطفیٰ صاحب نقوی حقیر خلف جناب شہیر غفر اللہ نائب تحصیلدار جھانسی

کیا فصاحت کیا بلاغت ہے کتاب نظم میں
ہے نمونہ شاعری کا شائقین کے واسطے

ہر سال طبع دیوان اب یہی لکھ دو حقیر
والد مرحوم کے اشعار یہ شائع ہوئے

سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر سید لطافت علی صاحب شیدا مچھلی شہری تلمیذ جناب شہیر جنت مقام

یادگار اپنے محبت کا اپنی ہے ہر نقش — چھپ گیا ہے پدر کے استاد کا دیوان سخن

بہر تاریخ یہ ہاتف کی ندا یہ آئی — لکھو یہ پیدا ہوا دیوان گلستان سخن

سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر سید منصب علی صاحب صبر مچھلی شہری تلمیذ حضرت شہیر خلد آشیاں

چھپ گیا دیوان مولانا شہیر — ہو گیا پورا اک اک ارمان - لکھ

بہر تاریخ طباعت صبر اب — شکر خالق کا چھپا دیوان - لکھ

سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر مولوی محمد کریم صاحب کرم بنارسی

ہیں مشہور عالم جناب شہیر — کہ حضرت کا شہرہ نہیں ہے کہاں

جو ہے فکر تاریخ کرم کو کریم — لکھو شہرت فیض نازک بیاں

سنہ ۱۹۳۵ء

نتیجۂ فکر محمد اقبال صاحب اقبال مچھلی شہری تلمیذ حضرت متین

کیوں نہ اس دیواں کی ہو عالم میں دھوم — جب مصنف کا تخلص ہے شہیر

لکھ دو اے اقبال یہ تاریخ طبع — شہرۂ آفاق دیواں بے نظیر

سنہ ۱۹۳۵ء

نتیجۂ فکر سید محمد عثمان صاحب نور مچھلی شہری تلمیذ حضرت شفیق

نور اعجب ہے یہ تیرا ہاں — کس سے ہو اسکی توصیف
طبع کی ہاں لکھدے نور یہ تاریخ — گنج بلاغت فکر لطیف

۱۳۵۰ھ

نتیجۂ فکر عبد السلام صاحب سلام مچھلی شہری تلمیذ حضرت شفیق

کیا چمن نظم ہے یہ مرحبا — گلشن جنت سے ہے بڑھکر یہاں
فکر ہے گر طبع کے تاریخ کی — لکھدے سلام دا دیوان باغ جنت

۱۳۵۰ھ

نتیجۂ فکر قاضی جمال الدین صاحب جمال مچھلی شہری تلمیذ حضرت شفیق

دلکشا ہیں ہے دیوان شفیق با کمال — ماشاء اللہ ... المد ... حد
فکر سال طبع کی مجھکو ہوئی جب اے کمال — مظہر اسرار دل اور حسن سے لکھدو

۱۳۵۰ھ

نتیجۂ فکر ملک عابد حسین صاحب عابد مچھلی شہری

ایک اک شعر اسکا ہے دراصل روح شاعری — دیدنی ہے واہ وا دیوان مولانا شفیق
پھر تاریخ طباعت لکھدو اے عابد یہی — جان شاعر اب ہوا دیوان مولانا شفیق

۱۳۵۰ھ

نتیجۂ فکر مولانا الحاج شاد ابوالحسن محمد مظفر حسین صاحب حیدری فاضل غازی پوری تلمیذ جناب شہیر اعلی اللہ مقامہٗ

ابتدا سے انتہا تک ہے بھرا فن عروض — سیکھنی ہو شاعری تو چاہیے ایسی کتاب
جوش دل سے لکھ دیے تاریخ ہجری حیدری — چھپ گیا اب بارے دیوان شہیر مستطاب

سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر جناب سید اختر حسین سروش خویش و جانشین حضرت شہیر اعلی اللہ مقامہٗ

خوب شہرت ہو گئی اچھا تخلص تھا شہیر — کر کے دکھلایا جہان شاعری میں اپنا نام
ہے جو صوری معنوی تاریخ کی فکر اے سروش — لکھ دو شائع ہو گیا تیرہ سو چون میں کلام

